تمہاری نیم وا آنکھیں
مرے رخسار پر،
جب بھی غزل لکھیں
اموزِ عشق کے
اسرار،
مجھ پر منکشف ہوکر
سرور و کیف کی،
چاہت کی،
ساری بند گرہیں
کھولتی ہیں۔

ایک پھیلا ہوا بازو ہے محبت ۔ جس میں اہلِ نصیب سمیٹتے ہیں۔ پرکیف چاندنی میں، غسل ماہتاب روح میں جس سرور کو جنم دیتی ہے کڑی دھوپ میں بھی آدمی چھاؤں محسوس کرتا ہے۔ یہ سارے احساسات وہاں ہوتے ہیں۔ جہاں دو ذی روح دنیا کی تصدیق کے بغیر اپنی ذات کی اندرونی و بیرونی سچائیوں کے ساتھ موجود ہوں۔

ہم اکثر اپنے لمحہ موجود میں، پھولوں کی کنج میں بیٹھ کر اپنی روح کو سیراب کر رہے ہوتے۔ ہمارے قدم کب اٹھ گئے۔ دل کی دنیا کب اور کیوں کہ اتھل پتھل ہوگئی یہ تب معلوم ہوا جب وہ میری زندگی میں رگوں میں خون کی طرح شامل ہوچکا تھا۔ محبت سے لبریز دل تو تھا ہی، آنکھیں، باہیں، ساعتیں بھی میری ہم راہ تھیں۔

میں اُسے محسوس کر رہی ہوتی تو مجھ پر محبت بھری نظموں، غزلوں کے ایک ایک شعر کا مفہوم کھل رہا ہوتا۔ وہ کہتا، "کچھ بولو، کچھ تو کہو۔" میں ہنس پڑتی۔ "میں تو سامع ہوں، بولتی تو محبت ہے۔"

ہم دنیا جہان کی باتیں کرتے، پارکوں میں کھلے پھولوں، کلیوں کی ان کہی گفتگو سنتے۔ کبھی کسی کانفرنس میں کسی سیمینار میں چائے کا سپ (sip) لیتے لیتے ہم دونوں ہی کہیں کھو جاتے۔

جب کوئی شگر لا کر دیتا کہ چائے میں ڈال لیں تو ہم دونوں کو تب ہی پتہ چلتا کہ چائے تو ہم نے پھیکی ہی پی لی ہے۔ پھر ہم خوب ہنستے۔

کبھی دوستوں کے گروپ کے ساتھ شاپنگ کرنے نکلے تو ایک دوسرے کے لئے ہی خریداری کرتے۔

یہ پین تمہارے لئے،
یہ ٹائی لے لو،
یہ کیچر، یہ کلپ
یہ سوٹ،
کتابیں، پرفیوم۔

دوست ہنستے۔ ایک دوسرے کو کہنی مارتے، سیٹیاں ٹھوکے دیتیں۔ کہتیں، یہی تو محبت ہے۔

"اب چلو بس بہت ہوگیا۔" میں لائبریری میں "امجد اسلام امجد" کو پڑھتے پڑھتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھہرو نا، اتنی جلدی۔ ابھی تو تمہیں جی بھر کے دیکھا بھی نہیں۔"
اس دن بھی ہم انسٹیٹیوٹ سے نکل کر بس اسٹاپ پر جاکر کھڑے ہوئے۔ اس نے حسب سابق کہا۔ "اللہ کرے تمہاری بس لیٹ آئے۔" دونوں ہم آواز ہوکر یہی ایک فقرہ کہتے۔ پھر ہنس پڑتے۔ ہمارے ہنستے ہی دونوں کی بس ایک ساتھ ہی آجاتی۔
ہم ایک دوسرے سے جدا ہوکر کبھی اداس نہیں ہوتے۔ آئندہ کی امید اور خواب لئے جو روانہ ہورہے ہوتے۔ ہماری راتیں طویل اور دن مختصر ہوگئے تھے۔
اس دن سرتجمل غیر حاضر تھے۔ شہر کراچی کی سڑکوں پر موت اپنا ہدف ڈھونڈ رہی تھی۔ وحشت گلیوں میں ناچ رہی تھی۔ اور پریشان حال مائیں کھڑکیوں سے جھانک رہی تھیں۔ جب ہڑتال مزدوروں کے گھروں میں فاقے ڈالتی تو اشیائے ضروریہ کی دکانوں پر لٹکے تالے چلانے لگتے۔ جن کی چیخوں کو ضرورت مندوں کی آنکھیں سنتیں۔ تب شام ڈھلے ویران سڑکوں پر بچے گیند بلا لے کر زندگی کو بیدار کرنے لگتے۔ تب ہم جو ذرائع مواصلات کی بجائے آنکھوں اور ہونٹوں سے گفت وشنید کے عادی ہوچکے تھے۔ جا ہتھیلی پہ لئے ساحل سمندر پر پہنچ کر اپنی ناختم ہونے والی گفتگو کا سلسلہ پھر سے جوڑ لیتے۔
ساحل پر بیٹھے بیٹھے تھک جاتے تو گھنٹوں گھنٹوں پانی میں اتر کر ایک دوسرے پر چھینٹے اڑاتے۔ جب واپسی ہوتی تو وہ بس ایک ہی بات کہتا۔
"لگتا ہے وقت تھم گیا۔"
"وقت بھلا کیسے تھم سکتا ہے؟" میں پوچھتی۔
"وہ ہماری محبت کی کہانی دیکھ رہا ہے۔" اس کے اس جواب پر میں کہتی، عجیب فلسفہ ہے تمہارا۔" پھر دونوں اتنا ہنستے کہ ہمارے قہقہے بھی آپس میں گھل مل جاتے۔
اس دن ویسا ہی ہوا جیسا اس نے کہا تھا یعنی وقت کی رفتار رک گئی۔ پھولوں کے کنج میں، میں بیٹھی شراب محبت گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی۔ ہمارے اطراف میں طالب علموں کا گروپ بیٹھا اٹھکھیلیاں کررہا تھا۔ گویا ہر طرف خوب رونق تھی کہ یکایک اُدھم مچ گیا۔
سازِ محبت ٹوٹ گیا۔
نغمہ عشق اہم انگیز ہوگیا۔
پھر کیا ہوا... میں کچھ سمجھ نہیں سکی۔ آنکھوں کی پتلیوں میں اس کا چہرہ تھم گیا۔ اس کی آواز کی نغمگی کہیں فضاؤں میں ڈولنے لگی۔ میرے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔
کب صبح ہوئی، کب شام گئی، معلوم نہیں، امی، نرس، بہنوں، ڈاکٹرز اور جانے کس کس کی آوازیں سنائی دے جاتیں۔ ممی کی آواز پر آنکھ کھلی تو وہ مجھ پر جھکی ہوئی تھیں۔
"شکر ہے سب ٹھیک ہے بیٹا۔"
"شاکر۔" میں نے پکارا۔
"وہ بھی ٹھیک ہے چار گولیاں اس کے جسم سے نکال لی گئی ہیں۔"
میرے دل میں آٹھ بار ٹیسیں اٹھیں۔
"بہت اسٹوڈنٹس زخمی ہوئے ہیں اس دھماکے میں۔ شکر ہے تم ٹھیک ہو۔" امی کے ہاتھ دعا کے لئے دراز تھے۔

* * *

نرس بتارہی تھی کچھ زخمی بہت سیریس کنڈیشن میں تھے انہیں بیرون ملک روانہ کردیا گیا ہے۔
"اور شاکر؟" میں نے کراہتے ہوئے پوچھا تو نرس بولی۔
"شاکر نامی نوجوان کا نام تو مرنے والے کی لسٹ میں ہے۔"
میرے دل نے کئی بار سسکی بھری۔
پندرہ دن آئی سی یو میں رہنے کے بعد زندگی نے مجھے دعا دی۔ جو قبول بھی ہوگئی۔ اب میں تہی داماں تھی۔ کچھ بھی نہیں رہا میرا۔ سب کچھ ایک دھماکے میں اڑ چکا تھا۔ جو کچھ میرے پاس تھا وہ بے مقصد زندگی اور بس۔
میں بیٹھے بٹھائے چیخ پڑتی۔ کبھی اُسے آواز دینے لگتی۔ کبھی بالکل نارمل ہوجاتی اور گھر کے کام کاج میں امی کا ہاتھ بٹانے لگتی۔ مگر اس کا کیا کیا جاتا کہ شاکر، چائے کی پیالی، سے لے کر پانی کے گلاس تک میں اپنی یادیں پیوست کرگیا تھا۔

* * *

لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ ایک کی کمی دوسرا پوری کر ہی دیتا ہے۔ ہنہ... لڑکیاں کوئی کاٹھ کا الو ہوتی ہیں نا کہ کسی کے بھی ساتھ کردو۔ خوشی خوشی چلی جائیں۔ جو دل میں گھس جائیں نا وہ سانسوں میں بھی اٹک جاتے ہیں۔ آنکھوں میں بس جائیں وہ رگوں میں دوڑنے لگتے ہیں۔ مشامِ جاں میں خوشبو بن کر اتر جاتے ہیں۔ کبھی نہ نکلنے کے لئے۔ سایہ بن کر ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ یہی تو محبت ہوتی ہے۔

اب شاکر بھی سایہ بن کر میرے ساتھ رہنے لگا تھا۔ روز و شب، شام ڈھلے، رات گئے۔ میں سوتی۔ وہ بھی سوجاتا۔ میں جاگتی، وہ بھی بیدار ہوجاتا۔ میں روتی، وہ بھی آنکھیں جلاتا۔ میں چلتی، وہ بھی میرے ہم قدم ہوتا۔ میں رکتی، وہ بھی اپنے بڑھتے قدم روک لیتا۔

بقول ممی کے ان دنوں مجھے سہارے کی اشد ضرورت ہے۔ ممی اور ان کی ایک دیرینہ سہیلی آئے دن گھر میں سرگوشیاں کرتی دکھائی دیتیں۔ بالآخر وہ کامیاب ہو ہی گئیں کسی مرحومہ خالہ بی کے فرزند کو ڈھونڈ نکالا گیا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں کے مصداق ممی ان پر صدقے واری گئیں۔ اور دھیرے دھیرے اپنے متوقع داماد کے لئے میرا برین واش کرنا شروع کردیا۔ مجھ پر پڑھ پڑھ کر پھونکا جاتا۔ پانی میں گھول گھول کر پلایا جاتا۔ بات کہیں کی ہو آکر ان ہی لیکچرر صاحب پر ختم ہوتی جن کا نام نامی شہزاد تھا۔ کھانے کی میز پر جب امی اس کی خوبیاں بیان کرتیں۔ تو میں ہنستی کیونکہ میرے برابر میں پہلے ہی شاکر بیٹھا ماحضر تناول کر رہا ہوتا۔ وہ سوتے وقت اس کی بات کرتیں تو شاکر کا ہیولا کمرے کے باہر ٹہلتا ہوا مجھے صاف دکھائی دیتا۔ جیسے وہ ممی کا کمرے سے باہر جانے کا منتظر ہو۔ وہ لان میں شام کے وقت اس کی گفتگو کرتیں۔ شاکر وہاں پہلے ہی چمبیلی کے پھول میرے بالوں میں اٹکا رہا ہوتا۔

آخر میں نے تنگ آکر کہہ دیا۔ "ممی... میں اب کسی کے ساتھ انصاف نہیں کرسکوں گی۔"

"یہ تو تمہیں کرنا ہوگا۔ خیالی دنیا سے نکل آؤ بیٹا... خود کو سنبھالو۔"

تمہیں اپنے مزاجی خدا کا ساتھ دینا ہوگا۔" وہ بڑے پیار سے بولیں۔

"کوئی نہیں ممی... نہ مزاجی نہ خدا۔ میں نہیں جانتی کچھ۔" میں نے بے زاری سے کہا۔

"وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہوجائے گا بیٹا۔ میں تمہارے لئے دعا کروں گی۔ تم ہمیشہ سکھی اور آباد رہو۔" ممی کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"ممی اتنی جلدی نہ کریں۔ کیا دنیا میں شادی کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہے۔ مجھے سنبھلنے تو دیں امی۔ میرے زخم ابھی تازہ ہیں۔"

"ان ہی زخموں کا مرہم تو تلاش کیا ہے میں نے تمہارے لئے۔ کسی کا ساتھ ہوگا تو ماضی بھول جاؤگی۔"

"اور میرے ہونٹوں سے اس کے نام کے بجائے شاکر نکلے گا تب...؟"

"ہوش کے ناخن لو... تمہیں بہت سمجھ داری سے کام لینا ہوگا۔ ایسی احمقانہ باتیں نہ کرو... کوئی شخص آخری نہیں ہوتا... ممی نے اس قدر ڈوب کر کہا کہ جی چاہا ان کی تمام باتوں پر ایمان لے آؤں۔"

"میں منافقت نہیں کرسکتی ممی... جھوٹی زندگی کب تک گزاروں گی۔" میری آنکھیں برسنے لگیں۔

"جھوٹی زندگی کیوں بیٹا... اپنے شوہر کی خوبیاں تلاش کرنا۔ سب کچھ تمہارے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ میری زندگی بڑھ جائے گی اگر تم سنبھل جاؤگی۔

"مجھ میں آپ جیسا حوصلہ ہے نہ ہمت۔"

"کوئی مشکل تمہیں پیش نہیں آئے گی۔ میری دعائیں تمہیں اپنے حصار میں رکھیں گی۔ میں ہر دم تمہارے ساتھ ہوں۔" ممی نے میری زلفیں سنواریں۔

"پل پل ہم رکاب تو شاکر رہتا ہے۔"

"اب اپنی زبان پر شہزاد کا نام سجالو۔ شہزاد کا۔"

"اور شاکر کا کیا ہوگا۔"

ممی تلملا گئیں۔ جانے کیسے مجھے برداشت کر رہی تھیں بولیں۔ "لگتا ہے تمہارا مینٹل ٹریٹ منٹ کروانا پڑے گا۔"

"میں بے سدھ ہو کر صوفے پر گر گئی۔"

طبیعت سنبھلی تو دونوں بہنیں آس پاس بیٹھی تھی۔ وہ مجھے سدا کی بیمار سمجھ رہی تھیں۔ مجھ سے ہمدردی کر رہی تھیں۔ مگر مجھے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا۔ میں تو بس ڈوبی ہوئی تھی۔ پانی میں ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپی آپ کس کلر کا شرارہ پہنیں گی؟

اور جیولری۔ میک اپ کس پارلر سے ہوگا؟

کوئی آپ کا پسندیدہ ڈیزائنر ہے تو بتادیں۔"

وہ دونوں بیٹھی یہی باتیں کر رہی تھیں۔ "اس نے دوبارہ پوچھا۔ شرارے کا کلر بتادیں ہمیں۔"

"وہی جو شاکر کو پسند تھا۔"

"شاکر بھائی اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ وہ جنت میں چلے گئے ہیں۔ آپ انہیں یاد کر کر کے بے سکون نہ کریں۔ بلکہ اپنی جنت دنیا میں بنائیں... آپ زندہ ہیں آپی۔" یہ نرمین تھی جس نے مجھے جھنجھوڑ کر کہا۔

"اوں... ہاں... اچھا۔" میں کیا جواب دیتی۔

"وہ بہت اچھی جگہ چلے گئے ہیں۔ اب آپ اپنا سوچیں۔ خوش رہیں تاکہ شاکر بھائی کو خوشی ہو۔ آپ دکھی رہیں گی تو وہ بھی... یعنی ان کی روح بھی بے تاب و بے چین رہے گی۔" نرمین مجھ سے پانچ چھوٹی تھی مگر بڑی بڑی باتیں کر رہی تھی۔

"آپی شہزاد بھائی بہت اچھے ہیں۔ پڑھنے لکھنے والے آدمی ہیں۔ شاعر بھی ہیں۔ آپ بہت خوش رہیں گی۔ وہ یقیناً آپ کے احساسات کا جذبات کا خیال رکھیں گے۔" دونوں ایک ساتھ مجھے سمجھا رہی تھیں۔

میں نے اس شام ممی کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی اور مجھے گلابی سوٹ پہنا کر بٹھا دیا گیا۔ گلاب کی خوشبو جیسے مجھ پر انڈیل دی گئی ہو۔ پھولوں سے لدی گردن دکھنے لگی تھی۔ نکاح اور رخصتی کے وقت بھی میں سکون آور دواؤں کے زیر اثر رہی۔

اٹھایا گیا تو میں اٹھ گئی۔ چلایا گیا تو چل پڑی۔ ویسے ہی کون سا مجھے ہی چلنا تھا۔ دلہن کو تو اس کا بازو پکڑنے والے چلاتے رہتے ہیں۔ جہاں بٹھایا وہاں گر گئی۔

ایک گھر سے نکل کر ایک دوسرے سجے ہوئے گھر میں پہنچا دی گئی۔ تیسرے ہی دن ہم کسی سفر پر بھی روانہ ہو گئے۔ ایک نسبتاً مہذب شخص مسلسل میرے ساتھ رہا۔ کبھی وہ مجھے شاکر لگتا کبھی شہزاد۔ اس نے زیادہ بات بھی نہیں کی۔ ایئر پورٹ سے باہر نکل کر اس نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم تمہیں کون سی جگہ پسند ہے۔ لیکن لوگ یہاں آنا پسند کرتے ہیں۔ جبھی میں تمہیں یہاں لے آیا۔ یہ اٹلی ہے۔" میں نے اور مریم نے کئی بار یہاں آنے کا پلان بنایا تھا... تم سن رہی ہو نا... مریم... میری سابقہ منگیتر... اس کی کہیں اور شادی کر دی گئی۔"

"مریم۔" میری آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔

"تم برا مت ماننا... ابھی میرا درد نیا نیا ہے۔ تمہارے ساتھ کی خوشی میں مٹ جائے گا۔ آہستہ آہستہ سب ذہن سے محو ہو جائے گا۔" اس کی آواز کی نرماہٹ و دلکشی نے میری سماعتوں کو بھی بیدار کر دیا۔

"نہیں... ایسا نہیں ہوتا... دل میں بسنے والوں کو بھولنا آسان نہیں ہوتا۔"... تمہیں شاکر کا معلوم ہے نا۔"

میں نے پوچھا تو اس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ تو سارے زمانے کو پتہ ہے۔"

"پھر۔"

"پھر کیا... کیا فائدہ اجنبی مرد یا اجنبی عورت کو دل میں رکھنے کا۔"

"اگر میری زبان پر شاکر کا نام آجائے تو...؟"

"اور اگر میں تمہیں مریم کہہ دوں تو...؟" ہم دونوں ہی شاید اپنے اپنے دکھوں سے ایک دوسرے کو واقفیت دے رہے تھے۔ یا اپنا درد بانٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"تم شاکر ہو سکتے ہو نہ میں... مریم۔" مگر ہم دونوں ایک دوسرے کو اسی تناظر میں دیکھ سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ دل میں اٹھنے والی ٹیسوں کو دباتے رہیں؟ اور ہمیشہ کے لئے مریض بن جائیں۔"

"مریم کے بعد میں نے کتابوں میں پانہ ڈھونڈی ہے۔"

"اور مجھے تو کوئی پناہ گاہ ملی ہی نہیں۔" دل کہاں کہاں اور کیسے کیسے کٹتا ہے۔"

"تم اس رشتے کی پناہ میں آجاؤ جو میرا اور تمہارا جڑا ہے۔"

"اپنے لئے نہ سہی ان کے لئے جینے کا سوچو جن کا کوئی نہیں ہوتا۔ جن سے کوئی پیار نہیں کرتا۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا تو میری پلکیں بھیگنے لگیں۔ مجھے لگا جیسے میں دنیا میں اکیلی ہوں۔ بالکل تنہا۔

ہم روز خوب گھومتے، ہم میں متوفی تھی نہ شرارت۔ سڑکوں، بازاروں، پارکوں میں پھرتے پھرتے تھک گئے تو وہاں کے "اولڈ ہاؤسز" اور "اورفن ہاؤسز" میں جانے لگے۔ واقعی شہزاد کا آئیڈیا اچھا تھا۔ ان بے آسرا لوگوں کو دیکھ کر مجھ میں جینے کی امنگ پیدا ہوئی۔ اپنے ہونے کا احساس ہوا۔ کچھ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ دنیا میں واقعی کرنے کو بہت کچھ ہے۔

"لوگوں کتنے بے حال ہیں۔ ہمارے وطن میں تو اور برا حال ہے۔ چلو وہاں چل کے کچھ کام کرتے ہیں۔" ایک دن جب میں نے شہزاد کو یہ کہا تو اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیلتی نظر آئی۔ اس نے پوچھا۔

"لوگ تو یہاں آکر یہیں بس جانے کی آرزو کرتے ہیں اور تم واپس جانے کی بات کر رہی ہو؟"

"ہاں... تو کیا ہمارا وطن صرف ہماری۔ "محبت کا مدفن" ہوگا...؟"

محبت ہمیشہ زندہ رہنے والا جذبہ ہے۔ جس سرزمین سے جذبات جڑے ہوں۔ اسے کبھی الوداع نہیں کہنا چاہیے۔"

"ایسا کرو... نورین اور شہزاد کو اسی دیار غیر میں چھوڑ جاؤ۔ مریم اور شاکر کو زندہ جاوید رکھنا ہی ٹھیک ہے... ہم دونوں کا یہی علاج ہے۔"

اس طرح ہماری ادھوری محبتوں نے ہمیں مریم اور شاکر میں تبدیل کر دیا۔

"تم شاکر کا صدقہ مجھے اپنا سچا جذبہ عطا کر دینا۔" شہزاد کی آنکھیں بھیگی بھیگی محسوس ہوئیں۔

"محبت، بھیک، صدقہ، خیرات، عطیہ نہیں ہوتی۔ یہ بن مانگے دی جانے والی شے ہے۔ اسے زبردستی کسی پر لاگو بھی نہیں کرتے۔ میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"... میں نے زبردستی اپنے لبوں پر مسکراہٹ بکھیری۔

"تم بھی خود مختار ہو۔ میں محبت میں آزادوں کا قائل ہوں تاکہ محبت پھلے پھولے اور اسے دوام حاصل رہے۔ پابندی، قید و بند اور زبردستی، مجبوری یہ زندگی کو کھا جاتی ہیں۔ تم جس راستے پر چاہو چلو۔ جو چاہے کرو۔ جس سے چاہے ملو۔ اگر میری محبت میں وارفتگی ہوگی تو تمہارے سارے نشان، سارے نقش میری محبت کی جانب کھنچے چلے آئیں گے۔ تمہارا میرا تعلق بدن کا نہیں روح کا رہے گا۔"

"شاکر بھی یہی کہتا تھا کہیں تم... شاکر کا دوسرا روپ تو نہیں ہو۔" میں نے بے قراری کے ساتھ اسے چھو کر دیکھا۔ میری انگلیاں اس کے چہرے کو چھو کر اس کے ہاتھوں تک گئیں تو اس نے اُسے اسی طرح تھام لیا جیسے شاکر کا انداز تھا۔ بالکل وہی۔

"نہیں میں شاکر کا روپ نہیں ہوں۔ میں پروفیسر شہزاد ازل ہوں۔ جس طرح محبت اپنے اصل کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کا دوسرا روپ نہیں ہو سکتا۔ مگر لوگ تشبیہ دیتے ہیں۔"

"یہ فلسفہ مجھے نہیں معلوم۔" میں نے بے زاری سے کہا۔

"میں تمہیں سمجھا بھی نہیں سکتا۔ لیکن پروفیسر کے ساتھ رہو گی تم تو سمجھنے لگو گی۔" وہ مسکرائے۔ اس کی مسکراہٹ بہت دھیمی تھی۔ مگر بہت من موہنی۔

* * *

اس نے قریب رکھے اخبار کو اٹھا کر الٹنا پلٹنا شروع کیا۔ کچھ دیر ایک خبر کی جانب توجہ مرکوز رہی، پھر بولی۔ "یہ دیکھو شاکر یہ اخبار میں کیسی خبر ہے، اس ملزم کی بیوی تعلیم یافتہ اور باشعور ہے۔ ان دونوں کی لو اسٹوری بھی شائع ہوئی ہے۔ اسے پیار کرنے والی بیوی کا شوہر قتل و غارت گری کے رستے پر کیسے چل پڑا۔ کہیں تو کوئی کمی ہوگی۔ والدین کی تربیت میں، گھر کے ماحول میں لازماً کمی ہوگی۔"

سزائے موت سنائی جانے کے بعد یہ زندگی کی تمنا کر رہا ہے۔ بیوی اس کی جانب سے صفائیاں پیش کر رہی ہے۔

"کیا تعلیم، کیسی تربیت، کون سا ماحول اور کیسا محلہ۔ ہر جگہ بس اسی چار حرفی لفظ "محبت" کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کسی نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔

جو کچھ بھی ہے جہاں میں
محبت کا ہی پھیلاؤ ہے۔

زندگی میں محبت داخل رہے تو تبھی وہ زندگی رہتی ہے۔ ورنہ صرف شرمندگی۔ یہ کائنات محبت کی بنیاد پر ہی بنی ہے۔"

"بس چلو خطبہ محبت ختم۔ اب ان لوگوں سے مل آئیں جن کی پیاسی نگاہیں محبت بھرے دلوں کی منتظر ہیں۔ ہم تو اپنی ایک کھوئی ہوئی محبت کا رونا رو رہے ہیں نا یہ بیچارے تو اس معاملے میں بالکل متلاشی ہیں بالکل مفلس۔ یہ کہتے ہوئے شہزاد کے چہرے پر بے چارگی تھی۔ "یہ زندگی سے نوچ کر پھینکے گئے لوگ ہوتے ہیں۔"

* * *

پہلا ہفتہ میک اے وش کے لئے تھا۔ اپنی بیماری سے زندگی کی جنگ لڑنے والے باہمت بچے جنہیں ہر صورت ہارنا ہی ہے۔ وہ جو آخری خواہش کریں۔ اسے پورا کیا جاتا ہے۔ نورین کو جیسے ہی ان کے بارے میں علم ہوا وہ بے چین ہوگئی۔ "چلو شاکر! ابھی تو یہ بچے دنیا میں ہیں ان کی آرزو پوری کریں۔ ان کے ساتھ کھیلیں۔ انہیں کہانیاں سنائیں۔ دور دیس کے پریوں کی۔ میں انہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاؤں گی۔ کیا تم پہلے بھی یہاں آئے ہو؟"

"ہاں کبھی کبھار جب دل دنیا کے ہجوم سے گھبرا جاتا ہے تب۔" جب خالقِ کائنات کا تہہ دل سے شکر کرنے کا جی چاہتا ہے تب۔ اور اس وقت بھی جب مرجانے کو جی چاہتا ہے۔ اور تب بھی جب خود کو تنہائی کاٹنے لگتی ہے۔"

"اوہ... پھر تم مشکل باتیں کرنے لگے۔"

* * *

دوسرا ہفتہ، خون کے امراض میں مبتلا بچوں کے ساتھ گزارنا تھا۔

"اف... دنیا بہت بیمار ہے۔ بہت علیل ہے۔ یہ جو بچے ہیں نا یہی زندگی کا نشان ہیں۔ زندگی کی شناخت ہیں۔ انہیں ایسی بیماریاں کیسے لگ جاتی ہیں۔" نورین فکر مند ہورہی تھی۔

ایک ہفتے ڈاکٹرز، نرسز اور دیگر عملے کے ساتھ مل کر بچوں کی خوب خوب دیکھ بھال کی دونوں نے۔ اس کے بعد مزید انہیں رہنے کی اجازت نہیں ملی کہ یہ بچے آپ کے عادی ہوجائیں گے۔ آپ کو تلاش کریں گے اور اس وقت آپ اپنی زندگی میں گم ہوچکے ہوں گے۔ لہذا آتے جانے میں وقفہ ہونا چاہیے۔"

گھر آکر شہزاد نے پوچھا۔ "سنو کہیں تم تھک تو نہیں گئیں۔ اتنی خدمت نئی دلہن سے تو سسرال والے بھی نہیں کرواتے۔"

"لیکن تم یہ تو دیکھو۔ خدمت بھی کیسی بہترین ہے۔ جس کے بعد بے پایاں سکون ملا ہے۔ اندرونی خوشی محسوس ہورہی ہے۔ اب جبکہ آرام کررہے ہیں تب وہ تھکن بدن کو محسوس ہورہی ہے اور یہی تھکن زندگی کا اثاثہ ہے۔"

* * *

تیسرا ہفتہ آبشار میں گزارنا ہے۔ اپنے آپ میں گم رہنے والوں کا گھر۔ زندہ رہ کے بھی زندگی سے منہ موڑ لینے والوں کا گھر، پاک ذہن، نیک روح والے معصوم۔ جو زمانے کی بے ثباتی کو جھیل نہ سکے اور اپنے حواس کھو بیٹھے۔

وہ دونوں دور ایک چبوترے پر بیٹھے آس پاس موجود ان لوگوں کو دیکھتے رہے۔ کیونکہ انہیں قریب جانے کی اجازت نہیں تھی۔

"شاکر! اگر تم مجھے نہ ملتے تو شاید میں بھی یہاں ہی ہوتی، کسی پتے سے کسی پھول سے تمہاری باتیں کررہی ہوتی۔"

"میں تو کتابوں سے باتیں کیا کرتا تھا۔ پھر انہیں ہی تکیہ بنا کر سوجاتا۔"

"اوہ... مگر کتابوں سے ہی کیوں؟"

"مجھے کتابوں نے ہی اپنے آغوش میں پناہ دی تھی۔"

* * *

چوتھا ہفتہ ایدھی ہوم میں گزارنا تھا۔

"ایسا کرو تم چھوٹے بچوں کے ساتھ رہو۔"

"اگر وہ میری گود سے سلپ ہوگئے تو۔ میں نے کبھی کسی بچے کو وہ بھی شیر خوار بچے کو نہیں سنبھالا۔"

"پھر تو تم بچیوں کے پاس چلی جاؤ۔"

وہ خوش ہوگئی۔ "یہ ٹھیک ہے میں آج کھلونے سے کھیلوں گی۔ جھولا جھولوں گی سب کے ساتھ۔ ایک دن گڑیا گڈے کی شادی بھی کروں گی خوب دھوم دھڑکے کے ساتھ۔ سچ بہت مزہ آئے گا۔"

"اور تم۔"
میں بارات لے کر آؤں گا۔" وہ ہنس پڑا۔
"وہ تو تم آچکے ہو۔" اس نے کہنی مارتے ہوئے کہا۔
"ارے گڈے کی بارات کا کہہ رہا ہوں۔" ویسے میں لڑکوں کے ساتھ کرکٹ کھیلوں گا اور انہیں پڑھنا لکھنا سکھاؤں گا۔"
"اگر میری ضرورت پڑے تو بلا لینا۔"
"سنو! یہاں بچیوں کو معلوم ہوگیا ہے کہ میں نئی دلہن ہوں۔ وہ سب مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں۔ مجھے اچھا لگ رہا ہے۔" نورین نے سیل فون پر شہزاد کو بتایا۔ تو وہ بولا۔ مجھے سب بھائی جان کہہ رہے ہیں۔ مجھے بہت اچھا لگا ورنہ تو سب مجھے "سر، سر" ہی کہتے رہتے ہیں۔ یہ سب مجھے روز آنے کا کہہ رہے ہیں۔ میں نے پھر آنے کا وعدہ بھی کرلیا ہے۔"
"مجھے بھی دوبارہ مدعو کیا ہے۔ شکر ہے ہم انہیں پسند آگئے۔"
"اب ہم دوبارہ بہت سارے تحفے لے کر آئیں گے۔"
* * *
"پانچواں ہفتہ شروع ہونے والا ہے۔ آج کہیں جانے کا پلان نہیں ہے کیا۔" اس نے شہزاد کو نیند سے بیدار کرنے کی کوشش کی۔
"ہوں ں ں ... نیند آرہی ہے سونے دو۔" اس نے کروٹ بدلی۔
یہ سرہانے کتابوں کا ڈھیر ہے پروفیسر، اسے پڑھ لیا ہے تو شیلف میں رکھ دوں۔" اس نے کتابوں کو الٹتے پلٹتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں پڑھا... یہ پورا ہفتہ کتابوں میں گزاروں گا۔ خریدوں گا بھی پڑھوں گا بھی۔"
"اوکے۔"
"چلو تم اپنی نیند پوری کرلو۔ میں کتابوں کو ترتیب سے رکھ دیتی ہوں۔"
"انہیں بے ترتیب تو ہونا ہی نہیں چاہیے۔"
"ہاں اور گرد آلود بھی نہیں ہونا چاہیے مریم۔"
ارے کیا تم مریم کو خواب میں دیکھ رہے ہو۔" اس نے پوچھا۔
"خواب ہوا ہوئے، مریم تو اب تعبیر ہے۔ تعبیر ہمیشہ سامنے ہوتی ہے۔ تمہاری طرح۔"
"ہوں۔ یہ مریم شاکر۔ یہ نام سوٹ کرگیا ہم دونوں پر۔"
"آج کتابیں اور کھلونے کی خریداری کریں گے۔"
"ہاں میں یتیم خانے کے بچوں کے لئے ڈھیروں کھلونے خریدوں گی... سچی میرا اب بھی جی چاہتا ہے خوب کھلونے خریدوں، ان سے کھیلوں، سائیکل چلاؤں، جھولا جھولوں، پارک میں گھوموں، تتلیوں کے پیچھے دوڑوں۔ سچ زندگی کا مزہ اسی میں ہے۔"
"کس کے ساتھ کھیلوگی۔" اس نے نیند میں ہی پوچھا۔
"اکیلی کیوں... یہ جو اتنے پیارے پیارے ننھے منے بچے ہیں ان کے ساتھ کھیلوں گی۔ انصار برنی ٹرسٹ، ایدھی ٹرسٹ اور یہ جو اسپیشل بچوں کا اسکول ہے۔ یہی تو ہے محبت بانٹنے کی جگہ۔ یہ جو ہمارے دلوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے نا۔ اسے ان ہی جگہوں پر جاکر تقسیم کروں گی۔" اس کے چہرے سے معصومیت چھلک رہی تھی۔
"محبت تقسیم نہیں ہوتی مریم... بلکہ اس کا حساب کتاب ہی نہیں ہوتا۔ یہ حساب کا موضوع نہیں ہے۔ یہ صرف محبت ہے۔ اس کا کوئی متبادل نہیں۔ ہاں یہ تبرک ضرور ہوسکتی ہے۔"

وہ مزید بولا۔

"مجھے پہلے سے معلوم تھا تمہاری اور شاکر کی محبت کے بارے میں ... پھر بھی میں نے تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنالیا... ورنہ اس معاشرے میں لوگ دوسرے مرد کے ساتھ انوالولڑکی کے ساتھ وقت تو گزارنا پسند کرتے ہیں۔ انہیں اپنی ذاتی زندگی میں قبول نہیں کرتے۔"

وہ اس کی بات کو بغور سن رہی تھی۔

"بے وقوف جو ہوتے ہیں۔" اس نے سلسلہ کلام جوڑا، محبت کرنے والا بہت سادہ معصوم ہوتے ہیں۔ دنیا کے خرافات سے الگ انہیں چالاکیاں، مکاریاں، دکھاوا، منافقت، جھوٹ کا پتاہ ہی نہیں ہوتا۔ تم اہلِ دل... اہلِ محبت، میں بھی اسی راستے کا مسافر۔ ہمیں زندگی کو کاٹنا نہیں ہے۔ نہ ہی گزارنا ہے۔ ہم تو زیست کو تھامنے والے لوگ ہیں۔"

فلسفے کے پروفیسر... ہی ہی ہی۔ وہ ہنسی دبانے لگی۔

وہ گنگنانے لگا:

بندگی تھام لو

زندگی تھام لو

سادگی تھام لو

عاشقی تھام لو

"اب تین ماہ ہونے والے ہیں۔ تمہاری چھٹیاں ختم ہوجائیں گی پھر تم کالج چلے جایا کروگے تو میں کیا کروں گی۔

"تم کھیلنا میں تمہیں بہت سے بچوں کے درمیان چھوڑ جاؤں گا۔ کھلونے کھیلنا۔

ہاہاہاہاہا... اس نے قہقہہ لگایا۔ گھر کی فضا فرحت انگیز ہوگئی۔

* * *

"میں ٹشو پیپر نہیں ہوں کہ استعمال کیا اور پھینک دیا۔"

"مجھے ڈائیلاگ نہ سناؤ میں کسی کہانی کا کردار نہیں۔ تمہارا شوہر ہوں۔"

"تو پھر شوہر کی طرح رہو۔"

"مجھ سے اس انداز میں بات نہ کیا کرو۔ طاہرہ میں نے تم سے شکل دیکھ کر نہیں تمہاری باتیں سن کر پیار کیا ہے۔"

"تو اب بھی باتیں ہی تو سنا رہی ہوں، سنو۔"

"ایسی جلی کٹی باتیں نہیں وہی پہلے والی باتیں۔ ورنہ سو کام ہیں دنیا میں میرے جیسے آدمی کے لئے۔

"سو کام...؟ کون سے سو کام... ایک دو تو ذرا گنواؤ۔"

"خدارا... ! مجھے جینے کی راہ دکھلاؤ... ورنہ...؟"

"ورنہ کیا... آگے بھی کہو۔"

"طاہرہ... مجھے چور، ڈاکو قاتل بنانے والے بہت ہیں۔ تم مجھے ان کی طرف نہ دھکیلو۔"

"کیا..." وہ دھک سے رہ گئی۔ "تم میں چور، ڈاکو قاتل بننے کے جراثیم بھی موجود ہیں؟" اسکا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "سیاسی وابستگیوں میں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ یہ پارٹی بازی آدمی کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ سیاسی پارٹیوں میں، نعرے بازی سے لے کر، غنڈہ گردی تک کے جراثیم تلاش کئے جاتے ہیں۔ کسی کو اس کے خصوصیات کے مطابق کسی راستے پر ڈالا جاسکتا ہے۔"

"اف خدایا...!!؟"

"بتاؤ... تم سے کیا کیا جرائیم کروائے گئے؟"

"ابھی صرف "بھتہ وصولی" میں شامل رکھا ہے۔"

"اف ... تمہیں یاد ہے تمہارے گھر میں صرف ایک وقت کا کھانا ہوتا تھا؟"

"اچھی طرح یاد ہے... کبھی تو وہ بھی نہیں ہوتا تھا۔"

"تم لوگوں کی محنت کی کمائی، جمع پونجی چھین لیتے ہو۔"

"لیکن میرے ہاتھ تو خالی ہی رہتے ہیں۔ وہ سب مال تو پارٹی کے پاس چلا جاتا ہے۔"

"جاوید... عقل کے ناخن لو... سنبھل جاؤ... یہ راستہ بدلو۔ آگے گلی بند ہے۔"

"معلوم ہے مجھے... مگر اب میں نے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔"

"میں نے نہیں چھوڑا... میں سنبھال لوں گی تمہیں۔ آہستہ آہستہ پارٹی سے علیحدگی اختیار کرلو۔
بہت مشکل ہے... پارٹی سے الگ ہونے والے کو زندگی سے الگ ہونا پڑتا ہے۔ کسی دن شہزاد۔ بھیا کے پاس چلو۔ ان سے مل کر مشورہ کرتے ہیں۔
باہر نکلنے کا راستہ پوچھتے ہیں۔"

"تمہارے بھیا کا ناکام عشق کا رونا ختم ہو تب نا۔"

"نہیں اب ایسا نہیں ہے بھیا بہت خوش ہیں۔ وہ تو نورین بھابھی کو مریم کہہ کر پکارتے ہیں۔ اور بھابھی انہیں شاکر کہتی ہیں۔"

"ہیں... بڑے عجیب ہیں دونوں... یہاں تو ایسی باتوں پر قتل ہوجاتے ہیں۔"

"نہایت معصوم ہیں دونوں۔" طاہر نے کہا۔

"تم کب بھیا سے ملوگے۔"

"جب تم کہو۔"

لیکن وہ کیا سوچیں گے ان کو بہنوئی دہشت گرد ہے۔"

"دہشت گرد...؟" طاہرہ تذبذب میں مبتلا ہوگئی۔"

"ہاں... ایسا کوئی کام تو نہیں کیا آج تک مگر نام دہشت گردوں کی فہرست میں شامل ہے۔" اس کا لہجہ زہر خند تھا۔
"اسی لئے تو کہتی ہوں۔ بھیا سے ملنا بہت ضروری ہے۔ میں ان سے التجا کروں گی کہ تمہارا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ سے نکلوادیں۔ ان کی ہر جگہ جان پہچان ہے۔"
"طاہرہ... یہ مسئلہ معمولی نہیں ہے۔ اسے آسان مت سمجھو۔"
"آزمو کرنے میں کیا ہے۔ جاوید۔ سوچنے میں کیا خرچہ آتا ہے۔ خواہش کی جائے تو کچھ حاصل ہوگا نا۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ یہی میرا ایمان ہے اور یہی میری محبت۔" طاہرہ بہت پرعزم تھی۔
"جبھی تو تمہارے ساتھ ہوں تمہیں دیکھ کر راستے روشن نظر آتے ہیں۔ جب راستے اجلے ہوں تو زندگی بھی روشن ہوتی ہے۔" وہ زیر لب گنگنانے لگا۔
"ہاں... تو تم مہدی حسن مرحوم کو خراج تحسین پیش کرو۔ میں چلی بھیا سے ٹائم لینے۔"
سیل فون یکایک بج اٹھا۔
"ہیلو... جاوید بول رہا ہوں۔
"حاضری نہیں دی آج۔"
"چل بے... جلدی آجا۔ کام ہے۔"
"اچھا آتا ہوں۔" وہ اٹھا۔
"کہاں چل دیئے۔" طاہرہ نے بے چینی سے پوچھا۔
"کال آئی ہے۔ تو جانا پڑے گا۔ سلام بھائی نے بلایا ہے۔"
"نہ جاؤ۔ نہ ملو کسی سے۔ چھوڑ دو سب کو، یہ لوگ تمہارے کچھ نہیں ہیں۔ صرف تمہیں استعمال کریں گے۔"
"ابھی تو میں جارہا ہوں۔ تم یہاں بیٹھ کر میرے لئے پلان بناؤ۔" وہ بے نیازی سے کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔
"بس یہی خرابی ہے تم میں بالکل کسی اجنبی کی طرح اچانک چل پڑتے ہو۔" اس نے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔
وہ ہاتھ چھڑا کر چل پڑا۔
طاہرہ نے فون ملایا۔ ادھر نورین نے فون ریسیو کیا۔ شہزاد واش روم میں تھے۔
"ہیلو... ! بھابی..." وہ رو دی۔
"کیا ہوا۔"
"بھیا کہاں ہیں؟ میں بہت پریشان ہوں۔"
نورین نے کہا۔ "میں آتی ہوں۔"
"آپ یہاں نہ آئیں بھابی۔ میں آجاؤں گی۔ آپ کے پاس۔"
"تو پھر ابھی آجاؤ کیا میں لینے آجاؤں۔"
"نہیں میں رکشہ لے لیتی ہوں۔"
"اوکے۔ اللہ حافظ۔"
* * *

(adsbygoogle = window.adsbygoogle || []).push({});
"شہزاد...! طاہرہ کا فون تھا کوئی پرابلم ہے اسے۔"
شہزاد نے بال سکھاتے ہوئے (اپنی انگلیوں سے) اسے غور سے دیکھا۔ آج اس نے اسے شاکر کے بجائے شہزاد (اس کا اصل نام) کہہ کر مخاطب کیا

تھا۔

"دوسروں کا دکھ اپنی تکالیف بھلا دیتا ہے۔" اس نے زیر لب کہا۔

"ہوں... اس کا ہزبینڈ پولیٹیکل ورکر ہے نا... وہی سب سے بڑا پرابلم ہے۔"

"اے ہے، اسے کیا کہہ رہے ہیں۔ محبت میں تو یہ سب نہیں دیکھا جاتا نا وہ تو چور ڈاکو سے بھی ہو سکتی ہے۔" نورین نے بڑی لجاجت سے کہا۔ "کچھ پیسہ خرچ کرنا پڑے گا۔ یہاں تو کام کروانے کا یہی طریقہ ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ جاوید نے طاہرہ کے سارے زیورات یکے بعد دیگرے فروخت کر دیئے ہیں۔"

"تو میرے لے لو۔" امی نے بہ وقت ضرورت کام آنے کے لئے ہی دیئے تھے ورنہ مجھے تو سونے کے زیورات پہننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ انہیں فروخت کر کے ان کے کام کر دو۔"

"نہیں اس کی شاید ضرورت پیش نہ آئے۔ اللہ کرے بغیر پیسوں کے ہی بات بن جائے۔ میں بھی کیسے کیسے خواب دیکھتا رہتا ہوں... پھر سوچتا ہوں... خواب نہ دیکھا جائے تو تعبیر کیسے حاصل ہوگی... خیر اللہ مالک ہے۔ سب ٹھیک ہی ہوگا انشاء اللہ۔"

"یہ طاہرہ بھی نہ... بس عقل سے پیدل ہے۔"

"کیوں؟"

"تم جانتی ہو مجھے مریم اسی لئے نہیں مل سکی کہ میرے بہنوئی صاحب "دہشت گردی" میں نام رکھتے ہیں۔"

"اے توبہ... ایسا بھی نہیں ہے۔" نورین نے برجستہ کہا۔

"یہی کہہ کہ مریم کے والد نے انکار کر دیا تھا۔" اس نے گویا انکشاف کیا۔

"اوہ... نو!"

رئیلی... مجھے یقین نہیں آتا کہ جاوید ایسا ہے۔" نورین کو تشویش ہو رہی تھی۔

"کچھ تو ہے... یونہی کسی کو بیٹھے بٹھائے دہشت گرد نہیں کہہ دیتے۔"

"یہ وہ سیاسی کارکن ہے جو اپنے آپ کو "توپ" سمجھتے ہیں مگر ہوتے کچھ نہیں بے چارے۔ کیا ہے طاہرہ کا مستقبل؟ کبھی اس سے پوچھنا۔"

"محبت تو ہے نا دونوں کو ایکدوسرے سے۔"

"بس... یہی محبت ہے، دونوں ایک دوسرے کو محبت بھرے گیت سناتے رہیں۔"

"کچھ کروان کے لئے... جاوید کو اس رستے سے ہٹاؤ۔ ورنہ ہم سب پس جائیں گے؟"

"پس جائیں گے؟!! پس چکا ہوں۔ پہلا شکار تو میں ہی تھا۔ ویسے میں کوشش میں ہوں اسے بیرون ملک روانہ کر دوں۔ اس کے بائی بے چارے متفکر رہتے ہیں اس کی طرف سے۔ ابا اسی صدمے کو لے کر دنیا سے سدھارے ہیں یعنی طاہرہ کی جاوید سے شادی۔ وہ اس کے حق میں نہیں تھے۔ مگر وہ مریم کے باپ والا رول ادا نہیں کر سکے۔"

"نورین... ہمارا خاندان علم سے، رشتوں سے وطن سے محبت کرنے والا خاندان ہے۔ ہمارے یہاں اولاد کی تربیت کا آغاز شکم مادر سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ مائیں پل پل خود کو سنبھالتی ہیں۔ اچھا سوچتی ہیں اچھا کرتی ہیں، اچھا کھاتی ہیں تاکہ آنے والی نسل اعلیٰ ذہن، اچھی سوچ اور اچھی صحت لے کر پیدا ہو۔ مائیں نشست و برخاست تک میں ادب و تہذیب کا خیال رکھتی ہیں۔" شہزاد نے تفصیلاً بتایا۔

"اور یہ شخص... گیارہ بہن بھائی ہیں۔ بچاری ماں جان چھڑاتی آگئی ہوگی سب سے۔" شہزاد نے کتابوں کے شیلف کو درست کرتے ہوئے کہا۔ اس نے گفتگو از سر نو جوڑتے ہوئے کہا۔

"اب تو یہ ماں باپ کے حدود و قیود سے نکل چکا ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالے۔ طاہرہ جیسی شریک سفر لڑکی مل گئی ہے تو اس کی قدر کرے... مگر نہیں... جانتی ہو... اس کا نام جاوید صدیقی ہے لیکن جاوید کو لاکھتے ہیں اسے۔"

وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔ آج شہزاد پہلی بار اتنا بولے جا رہے تھے۔ یقیناً اپنی بہن، بہنوئی اور اس کے مستقبل کی فکر دامن گیر تھی۔ اور تھا بھی کون ان کا... لے دے کے دو ہی بہن بھائی تھے۔ والدین حیات نہیں تھے۔ جو رشتے بنے تھے وہ سب سہمے ہوئے تھے۔ جاوید کا خاندان اس کی حرکتوں کی وجہ

سے پہلے ہی اس سے خائف رہتا تھا۔ لہذا وہ بھی ملنا ملانا پسند نہیں کرتا تھا اس سے۔ اب ادھر نورین کا میکہ تھا جنہوں نے شاکر کی یادوں کی وجہ سے احتیاطاً نورین سے دوری اختیار کر رکھی تھی۔

مگر اپنے داماد پروفیسر شہزاد سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم آنا جانا بالکل نہیں کرسکتے تاکہ نورین کو سوائے اپنے شوہر کے کسی اور کی یاد آئے۔ اس کا نیا ماحول ہو۔ اس لئے کہ نئی زندگی ہے۔ چلو... وہ بھی اپنے حساب سے ٹھیک ہی سوچتی ہوں گی۔

* * *

"اور فن ہاؤس کا چکر بھی لگانا ہے۔ ورنہ وہ بچے اپنے ماحول میں بیٹھے ہمیں یاد کرتے رہیں گے۔ ان کے لئے کھلونے خریدنے ہیں... اس بار تنخواہ ان بچوں کی سمجھو۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو۔

"میں تو تیار ہوں۔ میری اجازت کی ضرورت کیا ہے۔ جو آپ سوچیں وہ ٹھیک ہے۔"

"ہاں... آئندہ ماہ... انشاء اللہ جاوید کے معاملات بھی سدھر جائیں گے... لڑکیوں کا سمجھداری سے کام لینا بہت ضروری ہے۔ ورنہ پورا خاندان تتر بتر ہوجاتا ہے۔ طاہرہ نے شادی کے معاملات میں بہت نا سمجھی سے کام لیا ہے۔ ہم سب کے لئے مشکل کھڑی کردی ہے۔ سوچنے میں سب کچھ جتنا آسان ہوتا ہے عملی طور پر اتنا سہل نہیں ہوتا۔

شہزاد نے تاسف کا اظہار کیا۔

"کیا کہیں... یہی محبت ہے۔" نورین مسکرائی۔

"سال بھر سے یہ "محبت" اس نکاح کے بندھن کو سنبھالے ہوئے ہے۔

کب تک چلے گا ایسے؟ تم طاہرہ کو سمجھاؤ"

"کیا سمجھاؤں... علیحدگی لے لے... ہمارے یہاں یہ تو نہیں ہوتا۔"

"تو یہ بھی نہیں ہوتا جو ہو چکا ہے۔"

"محبت یہ سب کہاں دیکھتی ہے۔ محبت کا پھول تو کسی کانٹے دار شاخ پر بھی کھل سکتا ہے اور اردگرد کے ماحول کو معطر کرسکتا ہے۔"

"ہاں... ہے نا معطر اس کی زندگی۔" شہزاد نے گویا طنزاً کہا۔

"انشاء اللہ معطر ہوجائے گی۔ اس کی زندگی۔ طاہرہ میں حوصلہ بہت ہے۔"

* * *

"سنو... آج بھابی سے بات ہوئی تھی میری۔"

"کس سے... نورین بھابی سے... اچھا... وہ بہت پیاری خاتون ہیں۔" جاوید نے اپنی رائے دی۔

"اور میں... طاہرہ نے جھٹ پوچھا۔ تم... تم تو گلاب ہو گلاب۔ ہمیشہ مسکراتے رہنے والا گلاب، مہکتے رہنے والا گلاب، جو کبھی مرجھاتا نہیں ہے۔ میرا گلاب۔"

"اونہہ... چھوڑو مجھے بنانا۔"

"تو کیا جھوٹ بول رہا ہوں۔"

"نہیں... بولتے تو سچ ہو مگر... سچی راہ پر نہیں چلتے۔ آہستہ آہستہ اپنے یار دوستوں سے قدم پیچھے ہٹاؤ اور اس بے تکی زندگی سے نجات حاصل کرو۔ جس کا کوئی مستقبل نہیں ہے... تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم بہت خوبصورت زندگی گزاریں گے۔"

"مجھے یاد ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہے تو خوب صورت زندگی مسئلے مسائل سے الگ بیٹھے ہیں۔"

"مجھے خدشات ہیں جاوید... تحفظات ہیں۔" طاہرہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"خدشات، تحفظات، ان ساری ذات برادری کو چھوڑو۔ بس میں اور تم... اور ہماری محبت... آؤ چلو کمرے میں چلتے ہیں۔ یہاں پھول، پودے اور اڑتے پرندے ہمیں دیکھ لیں گے۔" اس نے طاہرہ کا ہاتھ پکڑ کر صحن سے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

* * *

"تم بہت اُجلی اُجلی ہو طاہرہ... تمہیں تو ہاتھ دھو کر چھونے کو جی چاہتا ہے۔"
"ڈھلے ہاتھوں سے چھوؤ یا میلے ہاتھوں سے مگر میری زندگی میں اجالا کر دو۔"
اس کا لہجہ خواب ناک تھا۔
"بس یہی باتیں ہیں تمہاری جس نے مجھے باندھ رکھا ہے۔ دیوانہ کیا ہے۔ کبھی کبھی تو اپنی قسمت پر رشک بھی آتا ہے... میں نے سوچا ہے یہاں سے کہیں دور نکل جاؤں ۔ تم بعد میں آجانا۔" جاوید نے اس کی بکھری زلفوں کو سنوارتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں ہمارا بے بی اس وقت آئے جب تمہیں کوئی خوف، کوئی پریشانی نہ ہو۔"
"کیا ہم اس دن کا انتظار گن گن کر کریں گے؟"
"بے بی بہت ضروری ہے مگر سن لو... ایک دو سے زائد نہ ہو۔ ہمارے ماں باپ کی طرح۔ دس گیارہ... پیدا کر کے جمع رکھا۔ کسی کا کچھ پتہ ہی نہیں ہے۔ کون کس کونے میں گھسا کیا کر رہا ہے۔" جاوید نے بے زاری سے کہا۔
"جو کرنا ہے جلدی کرو۔ ایک برس بیت چکے ہیں ہماری شادی کو۔"
"تم حساب کرتی رہتی ہو۔ مجھے تو کل کی بات لگتی ہے۔" وہ گنگنانے لگا۔
"شکر ہے تم نے ایسا محسوس کیا۔"
"تم نے کرایا ہے۔ مجھے بیدار کیا ہے۔ میں نے بھی اس جذبے کا اقرار کیا جو میرے اندر کہیں دبا ہوا تھا۔ محبتوں کی کمی ہی ہوتی ہے جو لوگ غلط رستوں پر چل پڑتے ہیں۔ محبت ہو تو رستوں کی، منزل کی نشان دہی ہو جاتی ہے۔ محبت ویران رستے میں چراغ کی طرح ہوتی ہے۔ جو آدمی کو آگے بڑھاتی ہے۔"
"مگر... انسان کو سمجھ داری سے کام لینا چاہیے۔ سوچ بچار کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ وہ انسان ہے۔ یہی غور و خوض کا عمل تو ہے جو اسے جانوروں سے ممتاز بناتا ہے۔" طاہرہ نے کہا۔
"ہے نا میری جیون ساتھی... بہت سمجھ دار... پھر مجھے کیا غم ہے۔"
جاوید نے شوخی سے کہتے ہوئے اسے اور اپنے قریب کر لیا۔
اپنے جذبات شیئر کئے۔ جب خمار ٹوٹا تو شام ڈھل چکی تھی۔ شب کے مسافروں کے اپنے سفر پر روانگی کی تیاری کا سمے تھا۔
طاہرہ بولی۔ "آج دن کی طرح ساری رات میرے پاس رہو۔ فون بند کر دو۔ کسی سے بات مت کرو۔ فقط میری سنو۔ میری پیار بھری گفتگو جس نے بقول تمہارے تمہیں میرا بنا رکھا ہے۔"
"جانے کیا کیا سوچتی رہتی ہو۔ جاوید نے انگڑائی کہتے ہوئے کہا۔
"یہ لو... اسے سنبھالو۔" اس نے پاسپورٹ جیب سے نکالتے ہوئے کہا۔
"یہ کل ہی بنا ہے۔"
صرف تمہارا... اور میں ...؟" طاہرہ کے گلاب چہرے پر پریشانی بکھر گئی۔
"پہلے مجھے کوئی ٹھکانہ مل جائے تو بعد میں تم بھی آکر بسیرا کر لینا۔"
"کاش! ایسا ہی ہو۔" طاہرہ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔
مری آنکھ کھلے... تم سامنے ہو

شب دن میں ڈھلے ... تم سامنے ہو
کوئی دیپ جلے ... تم سامنے ہو
کہیں پھول کھلے ... تم سامنے ہو

"کبھی مجھے بھی بھیا کی طرح شاعری سے بے حد لگاؤ تھا۔ غم زیست نے اسے نکلنے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی ... سب ٹھیک ہوجائے گا۔ تم ذرا سی کوشش کرو۔ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارو۔ کسی کا کارندہ بن کر نہیں۔ یہ سیاستدان کسی کے نہیں ہوتے۔ اپنے آپ کے بھی نہیں۔ انہیں خود سے پیار ہوگا تو اپنے آپ سے وابستہ ہر شے کا، ہر شخص کا، ہر رشتے کا خیال کریں گے۔ یہ خود غرض، مفاد پرست لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے ورکر فاقہ کشی۔ بچارے ان کے آگے اپنی زندگی بچھادیتے ہیں۔ پھر مٹ جاتے ہیں۔ تم انہیں چھوڑدو۔ کیا ملا ہے اب تک تمہیں۔"

"میں خواجہ وارثی کا بیٹا ہوں جس نے ایک سیاسی جماعت کو اپنے چالیس سال دے دیئے۔ اپنے حال میں ہی مست رہ کر دنیا سے گزر گئے نہ کوئی امتیاج نہ کچھ حاصل۔ وفا کشی کی آپ اپنی مثال تھے ابا۔ جاوید آب دیدہ ہوگیا۔ "لیکن تم پر تو دہشت گردی، زمین فروشی، بھتہ وصولی کا الزام ہے جاوید۔ تم ایسے ہوئے تو بھلا میں یہاں تکلیف دہ وقت گزارتی۔ !! تمہاری اماں نے ابا کو نہ روکا۔ مگر میں تمہیں روکوں گی۔ اچھی زندگی گزارنا۔ میرا اور تمہارا حق ہے۔ میں کیوں اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے بیوہ کی زندگی کاٹیں۔ لوگ مجھ پر ترس کھائیں۔ میں آئے دن تمہاری تلاش میں منہ پر نقاب ڈالے گلیوں گلیوں پھروں۔ تمہاری اماں بچاری اسی طرح رہیں نا۔" اس سے قبل تمہاری پارٹی کو تمہاری پلاننگ کی بھنک بھی پڑے یہ سرزمین چھوڑدو۔ بعض صورتوں میں ہجرت ضروری ہے جاوید۔ میری اعلیٰ تعلیم وتربیت، باعلم وہنر کا فائدہ کیا جب میں اپنے شوہر کو ہی ایک مثالی شخص کے طور پر دنیا کے سامنے نہ پیش کرسکوں... کچھ بھی ہو... میں تمہارا اور تم میرا حوالہ ہو۔ میں نے خود تمہاری ذمہ داری لے کر ہم کو اپنی زندگی کا ساتھی بنایا ہے۔ ورنہ میری کوئی مجبور نہ تھی۔ اگر کچھ غلط کہا ہو میں نے تو مجھے بتاؤ۔ تصحیح کرو۔"

"تم فکر مند نہ ہو سب ٹھیک ہوجائے گا۔" جاوید کے چہرے پر طاہرہ کی باتوں کی طمانیت تھی۔

"محبت بولتی ہے۔ جاوید! اس کی اپنی ایک آواز ہوتی ہے۔ محبت نامی پھول کی اپنی مہک ہوتی ہے۔ جسے بغیر ناک والے بغیر حس شامہ رکھنے والے بھی سونگھ لیتے ہیں... یہی موقع ہے زندگی کو سدھارنے کا۔"

"یار... اتنا نہ ڈراؤ مجھے۔" وہ جذبذ ہونے لگا۔

"پارٹی نے تمہیں جو آفر کی تھی تم نے اس پر کوئی بات نہیں کی۔" جاوید نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"اس پر بات نہیں ہو سکتی۔ تمہاری تعلیم یافتہ بیوی کو تمہاری پارٹی کیش نہیں کرا سکتی۔ میں کسی کرپشن میں شامل نہیں ہو سکتی۔ مجھے کسی پارٹی میں کوئی عہدہ نہیں چاہیے۔ میں بچوں کو پڑھالوں گی۔ بے بی کیئر سینٹر کھول لوں گی مگر ان پارٹیوں کے ذریعے تباہی کا حصہ نہیں بنوں گی۔ صوبائی اسمبلی تو کیا سینیٹ کا ٹکٹ بھی دیں تو نامنظور ہے۔ کئی خاندانوں کو برباد کیا ہے ان پارٹیوں نے، لسلینجان سے ہاتھ دھو بیٹھیں ہیں۔ ایسے بھی محلے ہیں اس شہر ابتلا میں جس کے ہر دوسرے گھر میں ایک "شہید" موجود ہے۔ ایسی شہادتوں سے توبہ جس کے بعد اہل خانہ فٹ پاتھ پر آجائیں اور پارٹی لیڈر، فوٹو بنوا کر بھول جائیں۔ خدارا میری بات کو سمجھو۔" طاہرہ نے جاوید کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔
"اور سنو... ! تمہارے ملک سے باہر جانے کا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سمجھے۔ ورنہ کسی کی جان لینے کی ذمہ داری تمہیں سونپ کر جیل میں سڑنے کے لئے چھوڑ دیں گے۔ یا پھر دوسروں کی طرح راستے سے ہٹادیں گے... یہی ہوتا رہا ہے اب تک... تم تو سب جانتے ہی ہو۔ محبت تمہارے راستے میں بیٹھی ہے... اس کا بازو تھام لو اور چل پڑو۔ سیدھی اور سچی راہ پر... پل پل پینترے بدلنا چھوڑ دو۔ اپنا ظاہر باطن ایک رکھو۔ وفا کیش آدمی کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔ تم بھی کبھی مجھے دغا نہیں دینا۔ ہم بہت مضبوط رشتے میں بندھے ہیں۔ یہ تعلق بہت نازک ہے مگر میرا اور تمہارا رشتہ پیار کے بندھن کے سبب بہت مضبوط ہے۔ اس نے دوبارہ سلسلہ تکلم جوڑا۔
"تمہارے اندر جو جذبہ، عزم اور ہمت ہے اسے اللہ کا انعام سمجھو اور اسی کی بناء پر اپنا ایک ایسا خاندان تعمیر کرو۔ جو معاشرے میں، ملک میں، تعمیری سوچ کو ابھارے۔ اس ملک کو تعمیری سوچ رکھنے والوں کی اشد ضرورت ہے۔ مگر افسوس سارے معاملات تخریب کی جانب جاتے محسوس ہو رہے ہیں۔"
جاوید اس کی باتوں کو سر جھکائے سن رہا تھا۔
* * *

"جی جناب... آج دن کیا رہا کالج میں۔" نورین نے شہزاد کے گیٹ میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔
"سب کچھ جیسا تھا ویسا ہی رہا۔" پھر بھی کچھ نیا نیا سا لگ رہا تھا شاید میرے اندر نئی امنگ جاگی ہے۔ ورنہ نظام تو یہاں کا وہی پرانا ہے۔"
"تم بتاؤ آج میرے بغیر پہلا دن کیسے گزارا۔"
"ایسی جگہوں پر جا کر تو وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ بے مقصد لوگوں کی زندگی بھی بامقصد ہو جاتی ہے اور فن ہاؤس کے بچے آپ کو بھی یاد کر رہے تھے۔"
"آج تمہاری ممی کا بھی فون آیا تھا۔ انہیں بھی فکر تھی کہ میری چھٹیاں ختم ہو گئی ہوں گی اور تم گھر پہ اکیلی ہو گی۔ میں نے بتادیا تم اکیلی نہیں ہو اور بہت بزی ہو۔"
"آج پتا ہے اور فن ہاؤس کے بچے کیا پوچھ رہے تھے، وہ پوچھ رہے تھے آپ کے بچے ہیں۔ ہاہاہا۔"
"شہزاد مسکرایا۔ تم نے کیا کہا؟"
"میں نے کہا۔ ہاں تم سب میرے بچے ہو۔" وہ ہنسنے لگی۔
"اتنے سارے۔"
وہ بھی گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بے ساختہ نہیں پڑا۔"
"آج ایک خوش خبری ہے۔" شہزاد نے بتایا۔

"کیا؟ اس نے بے قراری سے پوچھا۔
جاوید کا نام ایگزسٹ کنٹرول لسٹ میں نہیں ہے۔ نہ ہی کسی اور طرح کی فراغات میں ہے۔ یہ سیاسی جماعتیں اپنے پکے کارکنوں کو اس طرح دھمکا ڈرا کر رکھتی ہے کہ دہشت گردی یا بھتہ وصول میں تمہارا نام ہے۔ تاکہ وہ پھنسے رہیں۔ جاوید کو بھی یہ سب خوف زدہ کرنے کے لئے بتایا گیا تھا۔
"شکر ہے۔ بہت بڑی ٹینشن ختم ہوگئی۔ وہ تو اللہ کا کرم سمجھو کہ کسی جہادی تنظیم کے ہاتھ نہیں لگا یہ لڑکا۔ ورنہ تو اب تک کہیں نہ کہیں بم باندھ کر پھٹ چکا ہوتا۔ اور طاہرہ کو صبح تکیے کے نیچے سے پرچی ملتی۔ محبت الوداع۔ میں چلا اللہ کی راہ میں پھٹ کر جنت میں حوروں سے ملاقات کرنے۔ طاہرہ تم بھی چاہو تو کسی حور کا روپ دھار کر وہیں آنا ملنا۔"
شہزاد کے تفصیلاً کہنے پر نورین قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ عجیب عجیب نمونے ہیں ہمارے خاندان میں۔"
"آج تم کچھ زیادہ نہیں بول رہے۔" نورین نے پوچھ ہی لیا۔
"ہاں میں آج کل بہت خوش ہوں تم نے مجھے میرے نام سے پکارنا شروع کردیا ہے۔"
"ہاں... ذرا دیکھو... انجانے میں کیسی غلطی کر بیٹھی۔ زندہ شخص کو مرحوم کے نام سے پکارتی رہی۔ معاف کردو مجھے۔"
اس میں تمہارا کیا دوش ہے۔ یہ دل کے معاملات ایسے ہی ہوتے ہیں۔ آواز کسی کو دو۔ لب پر کسی اور کا نام آجاتا ہے۔ لیکن وقت ہی بہت بڑا مرہم ہے۔ چلتا ہے سب چلتا ہے۔ محبت میں، یہی تو محبت کی نشانیاں ہیں۔"
"لیکن تم مجھے مریم کہہ سکتے ہو۔ مجھے یہ نام اچھا لگتا ہے۔ پاک، معصوم سا۔"
"اس معصوم کے ساتھ برا ہوا۔" شہزاد کے چہرے پر اداسی دکھائی دی۔
"کس کے۔" نورین نے جلدی سے پوچھا۔
"مریم کے۔ اس کا شوہر سال بھر سے لاپتہ ہے۔" شہزاد کا لہجہ دکھ بھرا تھا۔
"تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"
"کل جو مسنگ پرسن کے لئے احتجاج ہوا ہے ان میں مریم آگے ہی کھڑی تھی۔ اپنے شوہر کی تصویر اٹھائے۔ ساتھ دو بچے اور اس کے والدین بھی تھے۔ اخبارات میں تفصیل پڑھ لو۔"
"اف خدایا۔" نورین نے ماتھے پر ہاتھ پٹخا۔
"ہوا کیا؟ وہ کیسے لاپتہ ہوا؟ کس نے غائب کیا اسے؟ نورین نے کئی سوال ایک ساتھ داغ دیئے۔ پھر خود ہی بولی۔ چلو شہزاد! اسے ہماری ضرورت ہے۔ وہ اکیلی ہے۔"
"میں نہیں جاسکتا۔ تم چلی جانا۔ طاہرہ کو بھی ساتھ لے لو۔" اس سے وہ لوگ واقف ہیں۔ اسی کا انکے گھر آنا جانا رہا ہے۔ میں اس کے والد کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔"
"اور طاہرہ!... کیا وہ اسے برداشت کرلیں گے اپنے گھر میں؟... کیونکہ اس کے شوہر پر ہی اعتراض تھا نا انہیں۔" نورین نے نکتہ بیان کیا۔
"ہاں اسے تو... برداشت کرلینا چاہیے کیونکہ اب حالات پہلے جیسے نہیں رہے۔ جانے کون کون سے ادارے (خفیہ ایجنسی) کی ان پر نظر ہو۔ بلکہ ابھی چند دن ٹھہر جاؤ۔ جاوید چلا جائے تو پھر چلی جانا۔ کہیں ایسا نہ ہو اس کا معاملہ سلجھتے سلجھتے ڈور الجھ جائے۔ جاوید کو میں ایک دیرینہ دوست کے پاس امریکا بھجوا رہا ہوں۔ اچھا بڑا پھولوں کا کاروبار ہے کہیں نہ کہیں ایڈجسٹ کرلے گا اسے۔ شکر ہے مشکل وقت میں کام آنے والے دوست ملے ہیں۔"
"این ں ں... ہوں، ہوں ں... نورین نے کھنکھارنے کے انداز میں گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔" اور مجھے بھی دعا دو میں بھی تمہیں بہت مشکل وقت

میں ملی ہوں جب تم بن میں لیلیٰ لیلیٰ میرا مطلب ہے مریم مریم پکارتے پھر رہے تھے۔" نورین نے اداکاری کی۔
"جی نہیں میں اس وقت تک سنبھل چکا تھا۔ البتہ آپ شاکر شاکر پکارتی پھر رہی تھیں۔ تمہارا درد تھا ہی ایسا۔ یکایک کوئی پیارا پہلو سے نوچ لیا جائے۔ وہ بھی ہمیشہ کے لئے۔ اف رگوں میں لہو سو کھجاتا ہے صدمے کے مارے۔"
"اللہ کی مرضی سمجھ کر حالات کا مقابلہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اب اس کی مرضی وہ ہمیں جس حال میں رکھے۔ پھر بھی میں التجا کرتا ہوں کہ "اے رب مجھ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالنا، میں بہت ناتواں ہوں۔ کسی آزمائش کا وزن نہیں سہار سکتا۔ بس میرا دل تیری اور تیرے بندوں کی محبت سے سرشار رہے کافی ہے۔"
نورین نے جلدی سے آنچل سر پہ ڈال لیا۔ "تم صدقِ دل سے دعا کر رہے تھے بناء ہاتھ اٹھائے۔" نورین بولی۔
دل تو ہر دم اسی کے آگے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ ہاتھ اٹھے نہ اٹھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔
* * *
جاوید سے کئی بار اسکائپ پر بات ہو چکی تھی۔ وہ امریکا جا کر خوش تھا۔ طاہرہ کرائے کا مکان چھوڑ کر اپنے بھائی شہزاد کے گھر شفٹ ہوگی۔ جب اُسے مریم کی خیر خیر لینے کا کہا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس کا موقف ایک طرح سے درست بھی تھا کہ جانے کون کون سی ایجنسیاں مریم کے گھر پہ نظر گاڑے بیٹھی ہوں گی۔ دوسرے یہ کہ جاوید کی خاموشی سے امریکا روانگی سے کہیں اس کی پارٹی کو مسئلہ نہ کھڑا کر دے۔ لہذا بہتری اسی میں ہے کہ وہ بھی اپنی روانگی تک کسی کونے میں دبک کر گزار دے۔
ادھر نورین جذبہ ہمدردی دل میں لئے مریم سے ملنے کے لئے بے چین تھی۔ بے چاری شوہر کے بغیر جانے کن کن مصائب سے گزری ہوگی۔ طاہرہ اسے بھی منع کر رہی تھی کہ مریم کے گھر کا رخ نہ کرے مگر نورین کا کہنا تھا کہ ایسے وقت میں سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ سوائے ان کے جن کے دلوں میں اللہ دوسرے کا احساس بیدار رکھتا ہے۔
"چلو شہزاد! ہم مریم کے ہزبینڈ کو تلاش کرنے میں اس کی ہیلپ (مدد) کرتے ہیں۔"
بھابی آپ بہت معصوم ہیں۔ مریم سڑکوں پر احتجاج کر رہی ہے۔ دنیا دیکھ رہی ہے۔ آپ بھیا کے لئے کوئی مصیبت کھڑی نہ کریں۔ طاہرہ نے نورین کو سمجھانے کے انداز میں کہا۔
"اچھا... تو اس کے بچوں کے لئے کچھ کرتے ہیں۔"
"بچے اپنی ماں کے ساتھ ہی بہتر ہیں۔" آپ ان کی کون ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ آجائیں گے۔"
"اوہ... ہاں ... تم ٹھیک کہتی ہو مگر اسے ہمدردی کی ضرورت تو ہے نا۔"
"تو آپ فون کر لیں۔"
"اس کا فون کیا آزاد ہوگا؟ آبزرویشن میں ہوگا۔" شہزاد نے معلومات فراہم کی۔
"کہیں سے معلومات حاصل کریں۔" نورین نے مشورہ دیا۔
"بھابی ان کے ابا خود اسٹرونگ پرسن ہیں وہ کر رہے ہوں گے کچھ نہ کچھ اپنی بیٹی کے لئے جدوجہد۔
* * *
شام کو شہزاد ہاؤس میں رونق تھی۔ گھر کی دیواروں نے پہلی بار مہمانوں کو دیکھا تھا۔ جاوید کے تین بھائی اس کی تلاش میں پروفیسر شہزاد کے گھر آئے ہوئے تھے۔ طاہرہ نے ان کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ان کا کہنا تھا کہ جاوید دس دن سے لاپتہ ہے۔ اور طاہرہ بھابی کو شاید کچھ معلوم ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی تلاش شروع کی جائے۔"
"وہ سب شہزاد کے منتظر تھے (جو کسی کام سے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے) تاکہ ان کے مشورے کے بعد کوئی قدم اٹھایا جائے۔
طاہرہ پریشانی ہو رہی تھی کہ اگر ان کو بتا دیا جائے تو شاید خبر لیک ہو جائے اور اس کی روانگی میں کوئی رخنہ نہ پڑ جائے۔ شہزاد نے انہیں بتایا کہ طاہرہ دو دن سے گھر میں اکیلی تھی لہذا ان کے گھر آگئی ہے۔ ابھی اپنے طور پر جاوید کو تلاش کیا جائے پھر اس کی بیوی یعنی طاہرہ کی مدعیت میں گم شدگی کا مقدمہ درج کیا جائے گا۔ آپ لوگ طاہرہ کے بغیر تھانے نہ جائیے گا۔ ورنہ پہلا شک پولیس کو طاہرہ پر ہی ہوگا۔ جاوید کے بھائی سیدھے سادے لوگ تھے پروفیسر شہزاد کی عزت و تکریم کے لحاظ میں وہ پہلے ہی نگاہیں جھکائے ہوئے تھے۔ انہوں نے شہزاد سے اتفاق کیا اور رابطہ نمبر کا تبادلہ کر کے دوبارہ ملنے کا کہہ کر چلے گئے۔ ادھر شہزاد نے جلد از جلد طاہرہ کو روانہ ہونے کا عندیہ دے دیا۔ بصورت دیگر کوئی بھی رخنہ اندازی ہو سکتی ہے۔"

* * *

طاہرہ کی ایسے شوہر کے پاس روانگی کے بعد شہزاد اور نورین نے جاوید کے بڑے بھائی کو بلا کر لذتِ کام و دہن کا انتظام کیا اور نورین نے انہیں خوش خبری سنائی کہ، جاوید امریکا میں ہے اور طاہرہ کو بھی ہم نے شوہر کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ وہاں اطمینان و سکون کے ساتھ بے بی کو جنم دے سکے۔ شہزاد نے چند قانونی باریکیوں سے انہیں آگاہ کیا اور بتایا کہ "جاوید کے حق میں یہی بہتر تھا کہ وہ اپنی فیملی لائف سکون و اطمینان سے گزارے جو اس کے لئے یہاں ممکن نہیں تھا۔ اب آپ اس کے اور آنے والے بچے کے حق میں دعا کریں اور کسی کو جاوید کے بارے میں کچھ نہ بتائیں۔"

جاوید کے بھائی نے سکون کا سانس لیا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شہزاد اور نورین کا شکریہ ادا کر کے روانہ ہو گئے۔

* * *

"شکر ہے طاہرہ کا مسئلہ حل ہو گیا۔ خدا کرے وہ وہاں خوش رہے۔" شہزاد نے اپنی بہن کو دعا دی۔

"تم پریشان نہ ہو۔ طاہرہ بہت سمجھدار ہے۔ وہ سب کچھ سنبھال لے گی۔" نورین کی بات پر شہزاد نے کہا۔ "دعاؤں کی ضرورت تو اپنی ہے تاکہ آنے والے ہر مشکل میں دعا ڈھال بن جاتی ہے۔"

"ہاں وہ تو ہے۔ میں تو بہت خوش ہوں بھئی... مرے ہم سفر تو صوفی منش ہیں... جناب کے پاس دعاؤں کا ذخیرہ ہے دوسروں کو دیتے رہتے ہیں۔" نورین نے فخریہ انداز میں کہا۔ سچ ایسے انسان کے زیر سایہ آدمی خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔ میں بھی اپنے آپ کو بہت سیکورٹیل کر رہی ہوں۔ واقعی اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ہمارے لئے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں۔"

* * *

اس دن طاہرہ نے اسکائپ پر گفتگو کرتے ہوئے نورین کو بتایا کہ "بھیا کو مریم کے معاملے سے الگ رکھیں اور آپ مریم کا نام بھی لینا چھوڑ دیں۔ آپ اسے نہیں جانتیں۔ وہ بہت چالاک عورت ہے۔ بھیا سادہ دل ہیں اور آپ ان سے بھی زیادہ۔

جب میں جاوید جیسے شخص سے سب کی مرضی کے خلاف شادی کر سکتی ہوں تو مریم نے ایسا کیوں نہ کیا۔ اس نے بھیا کو اپنے شوہر کے مقابلے میں چھوڑا ہے۔ وہ میری سہیلی تھی۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں اس نے میرے پروفیسر بھائی کے بجائے ایک اعلیٰ عہدے دار شخص سے شادی کر لی۔ وہ کرپشن میں ملوث ہے۔ اس کے خلاف مقدمات اخبارات میں آتے رہتے ہیں۔ اور درونِ خانہ کیا کیا معاملات ہیں ہمیں کیا معلوم؟"

نورین ہکا بکا اسے سنتی رہی اور اثبات میں سر ہلاتی رہی۔

"بھائی آپ بھیا کا خوب خیال رکھیں۔ بجائے یہ کہ وہ آپ کے لئے ناشتہ بنائیں آپ ان کے ساتھ مل کر ناشتہ تیار کریں۔ ان کے سر میں تیل لگائیں۔ وہ پڑھتے پڑھاتے میں دماغ پر زور تو پڑتا ہوگا۔ سوتے وقت تلوے میں بھی تیل کی مالش کیا کریں تبھی مریم ان کے دماغ سے نکلے گی۔"

"مریم ان کے دماغ میں کیلے گھسی رہے گی۔ ان کے ساتھ تو میں رہتی ہوں۔" نورین نے سادگی سے پوچھا۔

"بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ساتھ رہنے والا ساتھ ہی رہ جاتا ہے اور دل و دماغ میں کوئی اور بسیرا کر لیتا ہے۔" بھابی عورت اگر اپنی اہمیت کو سمجھ لے نا تو ماں، بیوی، بہن، بیٹی، ہر روپ میں کامیاب رہتی ہے۔ عورت مرد کو جنم دیتی ہے۔ اس کی کمان اسی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ جو عورتیں یہ باتیں سمجھتی ہیں وہ بے نام و نشان رہ کر بھی اپنی اپنی جگہ حکمرانی کر رہی ہوتی ہیں۔ آپ خوش نصیب ہیں بھیا سادہ آدمی ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی کا فلسفہ ہی اور ہے۔ ورنہ یہ جو آپ شادی کے دن سے ہی شاکر شاکر کی رٹ لگائے رکھتی تھیں نا کوئی اور ہوتا تو پہلے ہی دن کاغذ تھما کر نکال باہر کرتا۔

"لیکن شاکر تو اس دنیا میں نہیں ہے طاہرہ۔" نورین نے روہانسی ہو کر کہا۔

"یہ بھی آپ کی خوش نصیبی ہے کہ جس شخص کا آپ نام لیتی رہی ہیں وہ مر چکا ہے۔" طاہرہ نے وضاحت کی۔

"ویسے بھی بھیا آپ سے دس سال بڑے ہیں جبھی انہوں نے آپ کی نفسیات سمجھ لی۔"

"تم تو مجھے ڈرا رہی ہو۔ بہت مشکل و عجیب باتیں کر رہی ہو۔" نورین نے کہا۔

"ہاں بھابی یہ تو جانتی ہیں نا کہ بھیا کالج میں پڑھاتے ہیں۔ نوجوان لڑکیاں ہر وقت نظروں کے سامنے بنی سنوری موجود ہوتی ہیں۔"

"نہیں بھئی! میرے ہزبینڈ ایسے نہیں ہیں۔" نورین نے کہا۔

"وہ تو کسی کے نہیں ہوتے۔ مگر کچھ ہوتے پتہ ہی نہیں چلتا۔" نورین نے خدشات سے آگاہی دی۔

"بھئی میں تو اللہ کے سہارے چلتی ہوں۔ اسی کے آسرے پر ہوں۔ اپنے سارے معاملات اسی کے حوالے کرتی ہوں۔ وہ میرے حق میں ہمیشہ بہتر کرے گا۔" اتنا کہہ کر نورین نے خود کو پرسکون اور طاہرہ کو خاموش کر دیا۔

* * *

شام کو شہزاد ایک میٹنگ سے تاخیر سے پہنچے تو نورین کا چہرہ کچھ بدلا بدلا سا تھا۔ گھر میں بھی کچھ تبدیلی محسوس ہوئی۔ یعنی اس کے کپڑے تبدیل کرنے کے لئے الماری سے باہر رکھے تھے۔ پانی میز پر موجود تھا۔ چائے بھی تقریباً تیار تھی۔

وہ مسکرائے۔ نورین نے بتایا۔ طاہرہ نے کہا ہے کہ اس کے بھیا کا خیال رکھا کروں۔

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولے۔ ''اس کے بھیا اس کے لاابالی شوہر سے بہت مختلف ہیں۔'' تم نے بتایا نہیں اُسے۔

''نہیں۔ میں خاموشی سے سنتی رہی۔'' اس کا چہرہ ابھی تک پر فکر لگ رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئے اور اپنی محبت کی مہر اس کے رخسار پر ثبت کر دی۔ نورین گلنار ہوگئی۔ انہوں نے اپنی محبت کی سرخی اسکے چہرے پر دوڑتی ہوئی محسوس کی۔ اس کی پلکیں اٹھ کر گریں اور وہ لپک کر شہزاد کے بازوؤں میں سمٹ کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگئی۔

* * *

شام کے وقت لان میں پھولوں کے درمیان وہ بیٹھے چائے کا سپ لے رہے تھے۔ نورین نے کہا۔ ''طاہرہ کا بے بی دیکھنے چلیں گے نا؟''

شہزاد چونکے۔ ''وہ کب آیا؟''

''ابھی نہیں آیا۔ آنے والا ہے۔'' نورین نے خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

'' پہلے آلینے دو۔ پھر پروگرام بنالیں گے۔''

''پروگرام پہلے بنالیں کیونکہ اُسے تو آنا ہی ہے۔''

''آپ کا بے بی کب آئے گا؟'' شہزاد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''وہ جھینپ کر بولی۔ ''اس کے پاپا سے پوچھ کر بتادوں گی۔''

پھر دونوں ہی ہنس پڑے۔ لان میں کھلے پھول مسکرائے اور درختوں پر بیٹھے پرندے چہچہانے لگے۔

* * *

گزشتہ دس یوم سے وہ گھر پر ہی تھی۔ شہزاد صبح سویرے کالج جاتے تو کبھی دوپہر کبھی شام کو واپسی ہوتی۔ وہ خود کو گھریلو کاموں میں مصروف رکھتی۔ گھر بھرا پرا ہو تو کام بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ ورنہ زیادہ تر آرام۔ طاہرہ کی مریم کے بارے میں کہی گئیں باتیں اس کی سوچوں کو منتشر کرنے لگتیں۔ وہ خود کو سمجھاتی۔ مریم ایسا کیوں کرے گی۔ یعنی اس کے شہزاد کی جانب قدم کیوں بڑھائے گی؟ اس کا شوہر تو حیات ہے اس کے گلشن میں دو پھول بھی ہیں پھر وہ میرا چمن کیوں اجاڑے گی۔ مجھے ایسا کوئی خیال اپنے دل و دماغ میں نہیں رکھنا چاہیے۔ میں جب بے ایمان نہیں تو کوئی میرے ساتھ کیوں دھوکا کرے گا۔ وہ ان تمام خیالات کو جھٹک کر گنگنانے لگتی۔

بک شیلف کی صفائی عموماً شہزاد ہی کیا کرتے تھے آج اس نے خود ہی کتابوں کو جھاڑنا شروع کر دیا۔ جابجا کتابوں میں کاغذ کے پرزے رکھے تھے۔ جن پر اشعار، غزل یا نظمیں لکھی ہوئی تھیں۔ شاید بلکہ یقیناً جب شہزاد پر آمد ہوتی تو وہ ان نظموں کو احاطہ تحریر میں لاتے اور بعد میں کتابوں کے اندر رکھ کر بھول جاتے۔ اس نے پڑھنا شروع کیا۔

ہاں یہی محبت ہے
ناشتے کے ٹیبل پر
تم کو سوچتے رہنا
چائے کی پیالی میں
چینی گھولتے رہنا

چپکے چپکے پھر ہنس کر
راز کھولتے رہنا

ہاں یہی محبت ہے
لڑکیوں کے جھگڑ میں
تم کو ڈھونڈتے رہنا

کتنا اچھا لگتا ہوں
اس سے پوچھتے رہنا

اور روٹھ جانے پر
دل کا ڈولتے رہنا

کل بھی ملنے آؤ گی؟
اس سے پوچھتے رہنا۔

ہاں یہی محبت ہے (نوٹ: نظم فرازانہ روحی اسلم)

نظم پڑھ کر لمحے بھر کو دل کی دھڑکن تھمنے لگی۔ اس نے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس بھر کر پیا اور صوفے پر گر گئی۔ بالآخر اس نے خود کو سنبھال ہی لیا۔ وہ خود کو سمجھانے لگی۔ ''میرا ہم سفر ایک شاعر بھی ہے۔'' شام کو شہزاد گھر آئے تو اس نے بتایا کہ بک شیلف کی صفائی کے دوران اس نے نہایت دلکش نظمیں پڑھیں۔ ''آپ مشاعروں میں جایا کریں۔'' اس نے وہ مشورہ دیا جس سے بیویاں چڑھتی ہیں۔

''مشاعرے رات گئے ہوتے ہیں۔ تم اکیلی کیا کرو گی یہاں۔'' ''مجھے بھی ساتھ لے چلنا۔''

''تھکن بھی ہوجاتی ہے۔ نیند الگ پوری نہیں ہوپاتی۔ مطالعے کے لئے ٹائم کم ملتا ہے۔ جو مجھے منظور نہیں۔ صبح کلاس لینی ہوتی ہے۔''

''تم سناؤ دن کیسے گزرا؟''

''بتایا تو ہے... آپ کی نظمیں پڑھ کر۔''

کھانے سے فارغ ہوکر آرام کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''کیا انسان کو زندگی میں دوبارہ محبت ہوسکتی ہے؟''

''ہاں... کیوں نہیں... محبت ہمارے اندر موجود رہتی ہے۔ کبھی جب اسے اپنا ماخذ ملتا ہے تو ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ ورنہ خاموش رہتی ہے۔ یا اپنا ساتھی تلاش کرتی ہے۔''

''آپ کو مجھ سے محبت ہے نا؟'' نورین نے دھیرے سے پوچھا۔

''یہ تو تمہیں معلوم ہوگا۔'' تبسم آمیز چہرے کے ساتھ انہوں نے اس کی جانب دیکھا۔

''کیسے معلوم ہوگا مجھے؟'' نورین کا انداز سوالیہ تھا۔

''ہوجائے گا... سب معلوم ہوجائے گا۔ محبت کب خاموش رہتی ہے۔ یہ تو خاموشی میں بھی بولتی ہے۔ اپنے ہونے کا ثبوت دیتی ہے۔ احساسات کو جگاتی ہے۔ سانس کو معطر رکھتی ہے۔ زندگی کے چراغ کو مزید فروزاں کرتی ہے۔''

''اس نے اپنا سر اس کے بازوؤں پر رکھ کر کہا۔ مجھے کوئی اچھی سی نظم سنائیں۔'' ''ایسی نظمیں تو تمہیں طاہرہ سنائے گی۔ اسی نے جاوید کے عشق میں ڈوب کر پروین شاکر بننے کی کوشش کی ہے۔'' وہ ہنس پڑے۔

''آپ کی باتیں پہلے مجھے فلسفہ لگتی تھیں۔ اب شاعری لگتی ہیں۔''

''ہوں... لوگ فرمائش کرکے سنتے ہیں تمہیں تو مفت سننے کو مل جاتی ہیں۔''

"آپ سے مل کر مجھے لگا کہ میں بہت بدھو ہوں۔"

"ہاہاہاہا... محبت بھی بدھوؤں کو ہی ہوا کرتی ہے... ارے نہیں میں تو مذاق کر رہا تھا... تم بہت سادہ طبیعت اور معصوم ہو۔ تمہیں چالاکیاں، مکاریاں چھو کر بھی نہیں گزریں۔ زمانے کا تم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ تمہاری معصومیت نے میرے گھریلو ماحول کو بہت معطر کر رکھا ہے۔ یہاں کی فضا بہت پرسکون و پرکیف ہے... تم اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کرو۔"

"نہیں... میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ گھر میں بیٹھ کر آپ کا انتظار کروں گی۔"

"میں لڑکیوں کے علم و ہنر دونوں حاصل کرنے کا قائل ہوں۔ ٹیکسٹائل ڈیزائننگ یا انٹیریئر ڈیزائننگ میں ہی داخلہ لے لو... ویسے تم عجیب ہی ہو میکے جانے کا کبھی نام نہیں لیا تم نے۔"

"ممی نے کہا تھا میکے کا رستہ بھول کر اپنے شوہر کے دل میں راستہ بنانا۔ لہذا میں ادھر کبھی گئی ہی نہیں۔ مجھے سب آپ کے حوالے کر کے بھول ہی گئے۔"

"تمہارے حق میں یہی بہتر تھا۔"

"شکر ہے آپ نے مجھے سنبھال لیا۔ بہت شکریہ آپ کا۔"

اس نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

* * *

وہ ہر سنڈے نائٹ اپنے گھر میں ہی مناتے۔ جبکہ دن کہیں نہ کہیں بے سہارا بچوں کے ساتھ گزارتے۔ رات گئے تک آپس میں باتیں کرتے۔ اٹھکیلیاں کرتے۔ کبھی آئس کریم کھانے، کبھی جوس پینے نکل جاتے۔ ان کے فلک شگاف قہقہے در و دیوار اپنے اندر جذب کر لیتے۔

مگر اس سنڈے نائٹ گھر میں خاموشی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے در و دیوار بھی چپ سادھ لی ہے۔ بات ہی کچھ ایسی تھی۔ سمجھیں انہونی ہو گئی تھی۔ یا پھر وہ جس کا طاہرہ کو خدشہ رہا کرتا تھا۔

اس ایک فون کال نے دونوں کو ہی امتحان میں ڈال دیا تھا۔

"ہیلو..." رات گئے فون پر ہونے والی گفتگو کو نورین بھی سن رہی تھی۔

"کون۔"

"شہزاد بات کر رہا ہوں پروفیسر شہزاد ازل صدیقی۔ آپ کون؟"

"مریم۔" چند لمحے خاموشی کے بعد آواز آئی۔ "مریم جو کبھی تمہاری تھی۔" نسوانی آواز نے کچھ یاد دلانے کی کوشش کی۔

"اوہ... آپ کیسی ہیں... آپ کے شوہر کے بارے میں جان کر دکھ ہوا۔" شہزاد نے افسوس کا اظہار کیا۔

"دکھ... آپ کو کیوں دکھ ہونے لگا۔ آپ تو اپنی زندگی میں مگن ہیں۔"

"جی... میں دوسروں کے دکھ سکھ میں ساتھ دینے والا آدمی ہوں۔ اگر آپ مجھے جانتی ہیں تو۔"

"مگر میرا ساتھ تو نہیں دیا۔ میں اس وقت بہت مشکل میں ہوں۔ محبت مشکل میں ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔" نسوانی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"مجھے میری محبت سے دست بردار کیا جا چکا ہے اور اس وقت آپ کسی اور کے نکاح میں ہیں۔" پروفیسر نے جلدی جلدی بات ختم کی۔

"پھر بھی خوشگوار دنوں کے صدقے ہی کچھ سہارا دے دیتے مجھے۔"

"آپ کو میرے سہارے کی ضرورت ہے۔ یہ سب کچھ کہنے سے پہلے بہتر ہے کہ آپ اپنے والد گرامی سے اجازت لے لیں۔" شہزاد نے مشورہ دیا۔

"تم تو ایسے نہیں تھے شہزاد...!" نسوانی آواز نے شکوہ کیا۔

"مجھے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ میں کیسا تھا۔ یا کیا ہوں۔ آپ اپنے بچوں کا خاص خیال رکھیں۔ مجھ سے جو ہو سکے گا۔ میں آپ سے تعلق رکھے بناء ضرور کروں گا۔ اللہ حافظ۔" شہزاد نے فون رکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔

"پوری گفتگو سننے کے بعد نورین کو کسی سوال جواب کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ کبھی اپنے شوہر کو اور کبھی در و دیوار کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سائیڈ ٹیبل سے گلاس بھر کر شہزاد کے آگے بڑھایا۔

"جانے اب کون سا امتحان ہونے والا ہے۔" پروفیسر شہزاد کے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے بستر پر لیٹ گئے۔ نورین بھی برابر میں آ کر پڑ گئی۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد شہزاد نے کہا۔ "تم کوئی ٹینشن مت لینا۔ میں کہیں نہیں جا رہا۔"

"اب کیا ہوگا؟" نورین کی آواز میں فکر مندی تھی۔

"کیا ہوگا... ہمارا بچہ ہوگا اور ہم ہوں اور کیا ہوگا۔" شہزاد نے شرارتی انداز میں کہا تو نورین نے شرما کر تکیے میں منہ چھپا لیا۔

"سنیں آپ مریم کے شوہر کے بارے میں معلوم کریں نا۔" نورین نے جذبہ ہمدردی سے مغلوب ہو کر کہا۔

"کیا معلوم کروں... رشوت لئے بغیر تو وہ چھینک بھی نہیں مارتا تھا۔ سارے زمانے کو معلوم ہے۔ مجھے تو معاف رکھو۔"

"اور یہ مریم... اس نے کبھی اپنے شوہر کو سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش نہیں کی؟"

"آپ کو کیسے معلوم کہ مریم نے ایسا نہیں کیا؟" نورین نے پوچھا۔

"کچھ بتایا ہوتا تو موجودہ صورت حال درپیش ہی نہ آتی اور اسے مجھ سے رابطے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اسے آپ سے اب بھی محبت جو ہے۔" نورین نے کہا۔

"نہیں... اسے کیا خاک محبت ہوگی مجھ سے۔ شوہر مشکل میں ہے تو سابقہ محبت یاد آ گئی۔ سیدھے طریقے سے اس کے لئے جدوجہد کرے اور بس۔"

"ذرا دیکھو... دو بچوں کا بھی خیال نہیں ہے۔"

"اس کے دل میں تمہاری محبت زندہ ہے۔"

"ہاں تو اس کا شوہر اگر لاپتہ ہے مگر زندہ تو ہے نا۔ میں کسی کی بیوی کے بارے میں سوچ کر اپنا ذہن پراگندہ نہیں کر سکتا۔ دین ایمان بھی کوئی چیز ہے... میرے دل و دماغ میں تم ہو... صرف تم۔"

شہزاد نے رومان پرور انداز میں کہا تو وہ اس کے مزید قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"آپ ایسا کریں۔ اس کے والد سے ملیں۔" نورین نے مشورہ دیا۔

"میں اتنا احمق نہیں ہوں۔ وہ سمجھیں گے آگیا میری بیٹی پر پھر ہاتھ صاف کرنے بلکہ تمہیں کیا معلوم وہ تو کہہ بھی دیں گے کہ "ابھی میرا داماد لاپتہ ہوا ہے مرا نہیں ہے۔ تم کس چکر میں یہاں آ گئے ہو۔"

"اچھا..." نورین حیران ہوئی۔

"اور کیا... وہ بہت منہ پھٹ شخص ہیں۔ تمہیں بہت زیادہ ہمدردی ہے تو اس کے شوہر کے مل جانے کی دعا کرو۔ اس حالت میں (پریگننسی) دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں۔

* * *

طاہرہ رات کو اسکائپ رپ آن لائن ہوئی تو اس نے بتایا کہ مریم کو اس نے کسی ٹی وی چینل پر احتجاج ریکارڈ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہوشیار رہنا کہیں وہ بھیا تک دوبارہ رسائی نہ حاصل کر لے۔ تم نہیں جانتی ہو نورین۔ مریم بہت مکار اور خود غرض عورت ہے۔ اس نے منگنی توڑنے میں لمحہ بھر نہیں لگائی تھی۔ اور اس (کرپٹ) بدعنوان افسر اعلیٰ سے شادی کر لیتی۔ اسے اگر یہ اندازہ ہو گیا کہ تم بھی اللہ میاں کی گائے ہو تو تمہیں پہلی فرصت میں الٹی چھری سے ذبح کر ڈالے گی۔ اور اپنے شوہر کی دولت اور بھیا کے جذبات سے پھر کھیلنا شروع کر دے گی۔

"اب آپ اپنا اور بھیا دونوں کا خیال رکھیں۔ ان کا ٹائم ٹیبل نوٹ کریں گھر سے باہر زیادہ وقت نہ گزارنے دیں کہ وہ کہیں اور جانے کا سوچیں۔"

"میں اتنی چوکیداری نہیں کر سکتی۔ نہ ہی ان پر کوئی پابندی لگاؤں گی۔ وہ سمجھدار آدمی ہیں کوئی غلطی نہیں کریں گے۔" طاہرہ کو نورین نے سمجھایا۔

"ہوں... بڑے بڑے سمجھدار مردوں کو میں نے چالاک عورتوں کے آگے پانی بھرتے دیکھا ہے۔" طاہرہ اسے مریم کے بارے میں ایک بار پھر خبردار کر رہی تھی۔

"میں اپنے شوہر کو باندھ کر نہیں رکھ سکتی۔ میں محبت میں آزادی کی قائل ہوں۔ وہ جہاں چاہیں جائیں جس سے چاہیں ملیں۔ جو چاہیں سوچیں اور کریں۔ انہوں نے مجھے اس وقت برداشت کیا ہے جب میں نیم دیوانگی کے عالم میں تھی۔ ان کے نکاح میں رہ کر میرے لبوں پر شاکر کا نام رہتا تھا۔ انہوں نے کسی مہربان کی طرح مجھے سنبھالا۔ زندگی کا مطلب سمجھایا۔ زیست کے رستے پر گامزن کرایا اور اب میں خود ایک اور زندگی کو اپنے وجود میں سنبھالے ہوئی ہوں۔ جو بہت جلد ان کے پیار کی نشانی کے طور پر دنیا میں آنے والا ہے۔" نورین نے کہا۔

"وہ سب ٹھیک ہے بھابی... مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا اب میں آپ کے حق میں دعائے خیر ہی کر سکتی ہوں۔"

......*

مریم نے اپنی سابقہ عادت کا دوبارہ آغاز کر دیا۔ یعنی روزانہ فونکرنا۔ وہ اسے پرانی محبت یاد دلاتی۔ کس نے کب کیا کیا تھا اسے سب یاد تھا۔ وہ آج بھی شہزاد سے ٹیلی فونک گفتگو میں مصروف تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ "محبت صرف کسی وجود کے حصول کا نام نہیں۔ یہ تو ایک جذبہ ہے جو ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ جو نہ ملے وہی محبت ہوتی ہے، خالص محبت۔ محبت کا حاصل شادی تو نہیں ہے نا۔"

"تو کیا اب تم مجھے دیوانہ کر کے چھوڑو گی۔" شہزاد نے پوچھا۔

"نہیں میں ایسا تو نہیں چاہتی۔"

"تو کیا چاہتی ہو؟"

"تم مجھے جذباتی سپورٹ تو دے سکتے ہو نا...؟" اس نے بڑے رسان سے کہا۔

"یہ تم مجھے کن راہوں میں بھٹکانا چاہتی ہو۔" شہزاد نے پوچھا۔

"کیسی کیسی رومان پرور نظمیں، غزلیں کہتے تھے میرے لئے... اب کہتے ہو میں تمہیں بھٹکانا چاہتی ہوں۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"اور کچھ نہیں تو ہمدردی کے دو لفظ ہی کہہ دو۔ جس کے سہارے میں چند دن کاٹ لوں۔" مریم نے کہا۔

"سنو مریم...! جس وقت یعنی رات گئے۔ جب تم مجھے فون کر کے پرانی محبت کو زندہ کرنے کی کوشش کرتی ہو نا... اس وقت جائے نماز بچھا کر اپنے شوہر کی بخیر و عافیت واپسی کی دعا کرو۔ تو دعا قبول ہی ہو جائے گی۔ کیونکہ یہی قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے۔"

"اور وہ میری محبت محض چند برسوں کی تھی۔" مریم نے الٹا سوال کر دیا۔

"تو کیا اپنی داستانِ محبت تاحیات سلسلہ وار چلاتی رہو گی؟" شہزاد نے سخت لہجے سوال پوچھا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو توبہ توبہ، جیسے کہ تمہیں تو محبت تھی ہی نہیں یاد کرو... تم نے کہا تھا کہ میری محبت کا چراغ تمہارے دل میں ہمیشہ روشن رہے گا۔"
"تمہارے ابا نے وہ چراغ پھونک میں بجھا دیا تھا۔ جس میں تمہاری بھی مرضی شامل تھی۔"
"تمہیں نہیں معلوم شہزاد...! اپنے شوہر کی قربت میں بھی تمہارا تصور میرے ساتھ رہا ہے۔"
"تم بے ایمان عورت ہو۔"
"میرا ہی تو ایمان سلامت ہے۔ بزدل تم نکلے جس طرح جاوید طاہرہ کو لے بھاگا تھا تم بھی مجھے لے جاتے۔" اس نے عجیب بات کہہ دی۔
"طاہرہ کو کوئی نہیں لے بھاگا تھا محترمہ...! اس کے نکاح میں گواہ میں بھی تھا۔"
میری بہن کو ذلیل کرنے کے بجائے اپنے بچوں کو سنبھالو۔ ان کی فکر کرو۔ بھول جاؤ محبت و محبت۔ تمہارے بچوں کے حق میں یہی بہتر ہے۔ مجھے معاف کرو۔ میں تمہاری باتوں میں آکر تمہیں رسوا نہیں کرسکتا۔ عقل کے ناخن لو۔ میں اب پہلے والا شہزاد نہیں ہوں۔"
"تو میں کیا سمجھوں... تم مجھے دھتکار رہے ہو۔" مریم نے روہانسی ہوکر پوچھا۔
"میں نے تمہیں نہ پہلے دھتکارا تھا نہ ہی اب ایسا کر رہا ہوں۔ لیکن تم جو چاہتی ہو وہ نہیں ہوسکتا۔ خدانخواستہ تمہارا شوہر واپس بھی نہ آیا تب بھی تمہارا میرا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ اب مجھے محبت کے واسطے نہ دینا اور اپنی بات یاد رکھنا کہ محبت کسی وجود کے حصول کا نام نہیں ہے... میں چاہتا ہوں کہ دنیا کے سامنے تمہارا نام احترام سے لوں۔ کیونکہ محبت تکریم کا پہرا نام ہے۔"
"یہ کیسی محبت ہے جو میرے کسی کام کی نہیں۔" مریم نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔
"مسنگ پرسن کی واپسی بہت پیچیدہ معاملہ ہے۔ قانونی باریکیاں ہیں اس میں... کوئی بچے کی گمشدگی نہیں ہے کہ جاکر مسجد میں اعلان کرادیا جائے۔"
"تم تو بالکل مجھ سے جان چھڑا رہے ہو۔" مریم نے بات آگے بڑھائی۔
"خدا کرے تمہارے شوہر کی جلد واپسی ہو۔" شہزاد نے بات ختم کرکے فون بند کردیا۔

* * *

"کیسی عورت ہے، شوہر کے غائب ہوتے ہی آپ کے پیچھے لگ گئی۔" نورین نے کہا۔
"اُسے خبر بھی ہے کہ میں بھی ہوں آپ کی زندگی میں شامل۔" نورین نے پوچھا۔
"ارے خود غرض لوگوں کو اس سے کیا مطلب کہ کون کسی کی زندگی میں شامل ہے۔ اور کون نہیں۔ انہیں تو فقط اپنا الو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔" شہزاد کا لہجہ قدرے ترش تھا۔
"خدا جانے اسے کس بات کی ضد ہے۔" شہزاد سوچ میں پڑگیا۔
"وہ اپنی چاہت کو زندہ رکھنا چاہتی ہے شاید۔" نورین نے کہا۔
"لیکن میں اپنے پارٹنر سے دغا نہیں کرتا۔ اسے یہ یاد نہ رہا۔"
"آپ اسے یہ یاد دلائیں۔"
"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جو بات ختم ہوگئی... ہوگئی... میرے لئے اب تم ہی سب کچھ ہو... اور تم سے وابستہ سارے دکھ سکھ میرے ہیں۔ میری خوش گوار زیست کا سبب ہی تم ہو، ورنہ میں اس ادھوری محبت کے غم میں سلگتا ہی رہتا۔" شہزاد کی آواز دل کی گہرائی سے آرہی تھی۔
"تمہاری سادہ دلی اور مخلص نے مجھے زندگی کا نیا رخ دکھایا ہے۔ میں کتابوں کی دنیا میں رہنے والا آدمی ہوں۔ لفظوں کی حرمت کا مجھے پاس ہے۔ اور جذبوں کی کاملیت کا احساس تم نے میرے اندر ابھارا ہے۔ تمہاری سادہ دلی اور معصومیت نے۔ محبت کا سبزہ معصوم لوگوں کے دلوں میں سر اٹھاتا ہے۔ جذبوں میں چالاکی، مکاری، جھوٹ گھر کرلے وہاں محبت رخصت ہوجاتی ہے۔ جیسے مریم کے دل سے میری محبت رخصت ہوئی تھی۔" شہزاد نے پانی کا گھونٹ

لیتے ہوئے کہا۔
"میں دعا کروں گی کہ وہ آپ کو بھول جائے۔" نورین نے صدقِ دل سے کہا۔
اب مریم کے فون وقت بے وقت آنے لگے۔ لیکچر کے دوران زیادہ تر شہزاد نے فون بند رکھنا شروع کردیا۔ تاکہ کلاس ڈسٹرب نہ ہو۔
اس رات انہوں نے جیسے ہی فون آن کیا، مریم کی کال آگئی۔
"تمہیں میرا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔" اس نے سوال کیا۔
"آدمی رات کو تم ایک غیر مرد کو کیوں فون کررہی ہو۔" شہزاد تنگ آگیا۔
"تم ہی تو اپنے ہو... سنو تو... میں اس سے کبھی بھی خوش نہیں رہی۔"
"تم میرے پاس ہوتیں تب بھی خوش نہیں رہتیں کہ لفظ، جملے، نظمیں، غزلیں تمہاری ضروریات پوری نہیں کرسکتے تھے۔ جبھی تو تم اور تمہارے گھر والوں نے جانتے بوجھتے ایک بدعنوان افسر سے شادی طے کرلی تھی۔"
"تمہیں نہیں معلوم وہ اپنا زیادہ تر وقت دوسری عورتوں میں گزارتا ہے۔ میں تو پہلے ہی اس سے دور تھی۔ اس کے اغوا سے مجھو مجھے سکون ملا ہے۔"
مریم نے ایک نیا سوشا چھوڑا۔
"تم تو چاہ رہی ہو کہ میں بھی، اپنا وقت غیر عورتوں میں کاٹوں، میں حلم بانٹتا ہوں۔ نسلوں کی تربیت کرتا ہوں۔ میرا ماضی اور حال نہایت شفاف ہے میرا مستقبل بھی داغ دار نہیں ہوگا۔"
"کیا میں غیر ہوں۔" مریم نے پوچھا۔
"بالکل شرعی وقانونی بلکہ اخلاقی لحاظ سے بھی۔" شہزاد نے بتایا۔
"عشق لڑاتے وقت تمہاری شریعت کہاں تھی۔" مریم نے برجستہ سوال داغے۔
"تمہاری محبت میں تو میں سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔ منگنی تک تو کرلی تھی۔ تم خود پیچھے ہٹی ہو۔" اور مجھے بھی دل گرفتہ کردیا تھا۔ تمہاری ٹھوکر نے میرا دل ودماغ سب بدل دیا۔ تم نے اپنے جذبات کی تشنگی دور کی اور مجھے خاموشی سے اکیلا چھوڑ دیا۔ مجھے تو میرے اللہ نے سنبھالا۔ اس نے مجھے شریکِ سفر فراہم کیا۔ پھر اس نے ہمارے دلوں کو جوڑا۔ میں اب تمہاری دوسری ٹھوکر کے لئے تیار نہیں ہوں۔" شہزاد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
"میں تمہاری محبت کے لئے تڑپی ہوں شہزاد۔" اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔
"غلط کیا... بہت غلط کیا... جس کے نکاح میں ہو۔ اسی سے وفا کرو۔" اس نے مشورہ دیا۔
"میں اب اس سے سارے تعلق ختم کرنا چاہتی ہوں۔ اور یہ تمہیں بتارہی ہوں۔" مریم نے ایک نئی بات کہی۔
"ابھی اسے لاپتہ ہوئے اتنا عرصہ نہیں گزرا کہ تم ابھی سے ایسے فیصلے خود کرلو۔"
شریعت اور قانون کو جاننا ضروری ہے۔" شہزاد نے سمجھایا۔
"مجھے تمہاری محبت کا حصار چاہیے۔" اس نے نیا پتہ پھینکا۔
"میری محبت کے حصار میں اور لوگ ہیں جس میں کسی کو میں حصہ دار نہیں بنا سکتا۔ ہاں البتہ میری دعائیں تمہیں اپنے حصار میں رکھیں گی۔ اپنے بچوں کی طرف دیکھو مریم...! ان کا باپ لاپتہ ہے انہیں اپنے سینے سے لگا کر رکھو تاکہ باپ کی غیر موجودگی کا احساس نہ ہو پائے۔"
"مجھے تم پر بڑا مان تھا شہزاد۔" مریم نے کہا۔
"تو پھر اس مان کو قائم رہنے دو۔ اپنے اور میرے آنے والے کل کو شفاف رکھو آئینے کی طرح۔ تاکہ کوئی تمہاری اولاد پر انگشت نمائی نہ کرسکے۔"
"میں نے تمہاری یادوں کے سہارے ہی اپنی گزشتہ زندگی کاٹی ہے۔" مریم نے بتایا۔
"باقی جو زندگی بچی ہے وہ اللہ کے سہارے کاٹ لو۔ اسی کی محبت ورحمت کا سہارا پکڑو۔ تمہاری زندگی کی الجھی ڈور خود بخود سلجھنے لگے گی۔ اصل محبت یہی ہے۔ وہی (اللہ) تمہارے بڑھتے قدم کا منتظر ہے میں نہیں۔ تمہیں نیند کی دوا بھی وہ سکون نہیں دے گی جو اللہ کی محبت میں ملے گی۔ مجھ پر تو یہی منکشف ہوا ہے تمہارے بعد۔"

"میں یہی کہوں گا کہ تم اپنی پوری توجہ اپنے دونوں بیٹوں کی دیکھ بھال اور شوہر کی واپسی کی طرف مبذول رکھو۔ اس کا تمہارے ساتھ کیسا رویہ تھا بھول جاؤ۔ اسکی سابقہ گرلز فرینڈز اس کے لئے آواز نہیں اٹھائیں گی۔ یہ کام صرف تم کر سکتی ہو۔ اور تم یہ کرو۔ تاکہ تمہارا شوہر واپس آکر تمہاری قدر کرے۔"

"مجھے آج پھر تمہیں کھونے کا شدت سے احساس ہو رہا ہے شہزاد۔" مریم کی آواز میں پچھتاوا شامل تھا۔

"شکر کرو کہ جس دولت کو تم نے اہمیت دی وہ اب تمہارے پاس ہے۔ ورنہ لوگ تو ایسے حالات میں مالی و معاشی مسائل کا بھی سامنا کرتے ہیں۔" شہزاد نے کہا۔

"جس محبت کو میں نے اپنے دل کے نہاں خانوں میں زندہ رکھا۔ اس نے آج مجھے ہر جھنڈی دکھا دی۔" مریم نے جواب دیا۔

"جسے تم ہری جھنڈی کہہ رہی ہو نا... وہ سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ تم اپنی زندگی کو پیچیدہ نہ بناؤ۔ مجھے تم جو چاہو کہو مگر یہی میری محبت ہے کہ میں تمہارے دعوتِ گناہ کو قبول نہیں کر رہا۔ تم محبت کا مطالبہ سمجھ ہی نہیں سکی۔ تمہارے لئے تو یہ چار حرفی لفظ ہے۔ مگر یہی چار حرفی لفظ آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔ سنبھالو خود کو اور اپنے بچوں کو بھی۔ اللہ تمہارا نگہبان رہے۔" اس نے فون بند کر دیا۔

* * *

آج کی صبح زیادہ فرحت بخش لگ رہی تھی۔ وہ دیر سے جاگا تھا۔ آنکھ کھلی تو نورین اپنے بستر پر موجود نہیں تھی۔ اٹھ کر دیکھا تو کچن میں جوس سرو ہونے کے لئے تیار رکھا تھا اور وہ آئینے میں اپنا حلیہ درست کر رہی تھی۔ بے بی پنک کاٹن کے سوٹ میں وہ کوئی پنکی کی پری لگ رہی تھی۔ سادہ بھی رنگین بھی۔ ہلکا سا پاؤڈر کا لیپ چہرے کو مزید تابناک بنا رہا تھا۔ نورین کو اس نے بہت کم میک اپ میں دیکھا تھا۔ مگر شادی کی رات وہ واحد رات تھی جب وہ روایتی دلہنوں کی طرح جگمگا رہی تھی۔

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ماں میک اپ کرے تو لڑکی بہت سادہ مزاج پیدا ہوتی ہے۔" اس نے معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کی۔

"کوئی نہیں، ایسا نہیں ہوتا۔" وہ اٹھلائی

"ارے سنیں... طاہرہ کا فون آیا تھا۔ جاوید بھی ٹھیک ہے۔ اچھی گزر رہی ہے۔ شکر ہے۔"

"ہاں مگر ایک مسئلہ سلجھتا ہے تو دوسرا سر اٹھا لیتا ہے۔"

"کیا ہوا۔" اس نے مڑ کر تاسف سے پوچھا۔ "مریم نے پھر تنگ کیا ہے کیا؟"

"ہاں۔ وہ تو کرتی ہی رہتی ہے۔ مگر تم جس طرح تنگ کرتی ہو ایسے تو کوئی نہیں کر سکا۔"

"ہیں... کیا مطلب؟"

"ارے کچھ نہیں میں یونہی تمہارا موڈ خوشگوار کر رہا تھا۔"

"وہ تو پہلے ہی خوشگوار ہے۔ وہ اب کیا کہہ رہی تھی آپ کو... بتایئے۔"

"کیا کہے گی وہ... میں اسے بے وقوف نظر آ رہا ہوں۔"

"آخر وہ چاہتی کیا ہے؟ محبت کا انتقام لے رہی ہے کیا۔"

"ترچ کرنا چاہتی ہے۔ زیر کرنا چاہتی ہے۔ محبت کے نام پر خود کو ذلیل کرنا چاہتی ہے۔"

"یہ دل کے معاملات کٹھن ہوتے ہیں۔ سمجھ نوک سناں پر قدم دھر دیا۔"

"ہاں مگر ان کے لئے ہے جو محبت کا بھرم رکھتے ہیں۔"

"کل تمہاری امی کا فون آیا تھا۔ تمہاری خیریت پوچھ رہی تھیں۔"

"امی کو اب میرا خیال کیوں آیا؟"

"اچھا ہے نا... ہماری زندگی میں کسی کی مداخلت نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جلد ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ وہ مائیں بہت عقلمند ہوتی ہیں جو بیٹیوں کی شادی کے بعد ان پر اپنا پہلا حق جتا کر ان کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتی ہیں۔"

"لگتا ہے اس برس خاندانی رشتے دوبارہ مضبوط ہوں گے۔" نورین بولی۔
"جب تک ہم اپنے خاندان والوں سے دور رہے۔ کیسے کیسے اچھے تعلق جوڑے۔ وہ بھی ان لوگوں سے جن کے رشتے ناتے ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ جنھوں نے اپنوں سے کنارہ کیا انہیں ہم ملے۔ لوگ جنہیں لاوارث سمجھتے ہیں نا غلط سمجھتے ہیں۔ دنیا بنانے والا تاجداران کا اصل وارث ہوتا ہے۔ بھلا ہم کبھی اورفن ہاؤس، ایدھی ہوم اور انصار برنی ٹرسٹ کے بچوں کو بھول سکیں گے۔ کبھی نہیں۔ ایک بار چلے جاؤتو ان سے ہمیشہ کے لئے تعلق بن جاتا ہے۔ سمجھواب یہی ہمارا خاندان ہے۔

* * *

ہوگئی ہے تم کو مات
صاف کیسے ہوں گے ہات
دوریوں کے جنگل میں
درد کے لگے ہیں گھات
جاؤ بھول جاؤ اب
ڈھل گئی ہے کالی رات
صبح اب فروزاں ہے
ہاتھ میں تمہارا ہاتھ

نورین نے شہزاد کا تازہ کلام پڑھ کر کہا۔ "مجھے اب آپ کی شاعری سمجھ میں آنے لگی ہے۔"
"ساتھ رہنے کا اثر ہے۔" شہزاد نے کہا۔

* * *

وہ لان میں سفید کرتا پاجامہ زیب تن کئے اخبار کے مطالعے میں مصروف تھے۔ آج کالج نہیں جانا تھا لہذا چہرہ شیو سے بے نیاز تھا۔ نورین پاس ہی لان میں پھولوں بھری ڈالیوں پر جھکی ان کی دلکشی اور مسحور کن خوشبو سے لطف انگیز ہو رہی تھی۔
"نورین میں سوچ رہا ہوں۔ چند دن طاہرہ کے پاس امریکا گزار آئیں۔ اس سے ملاقات بھی ہوجائے گی اور جاوید کا احوال اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں گا۔"
"مگر اب تو ہمارے بے بی کے استقبال کے دن قریب ہیں۔" نورین نے قدرے جھینپتے ہوئے کہا۔
"یہ بھی کوئی یاد دلانے والی بات ہے۔ اس لئے تو کہہ رہا ہوں کہ ہم سب وہاں مل جل کر تمہارا خیال رکھیں گے۔ یہاں تو بڑے مسائل ہیں۔ ٹریفک کو ہی لے لو۔ اس میں پھنس کر سڑکوں میں جتنا وقت برباد ہوتا ہے نا۔ اس سے تو میں ہول کھانے لگتا ہوں ہوں۔ یہاں تو بچے رکشے اور ایمبولینس میں جنم لے رہے ہیں۔"
"توبہ توبہ... کیسی باتیں کر رہے ہیں" ... "لو تمہیں خبر ہی نہیں۔ موجودہ تازہ ترین حالات و واقعات بتا رہا ہوں۔"
"جیسی مرضی آپ کی میں تو طاہرہ سے ملنے کے لئے بے قرار ہوں۔ ہاں اس طرح مریم سے چھٹکارا مل جائے گا۔ اس کا تو ذکر ہی نہ کرو۔ کہیں آ ہی نہ جائے۔" شہزاد ہنسنے لگے۔
"آپ کی زندگی کی کتاب میں اسکے نام کا صفحہ بھی شامل ہے۔" نورین نے یاد دہانی کرائی۔
"ہاں مگر اس صفحے کو پھاڑا جا چکا ہے۔"
"یہ کیا بات ہوئی۔"
"آپ تو میرے لئے خدائی تحفہ ہیں۔ مجھے کیا کسی سے ڈرنا۔ مجھے ملے ہیں تو میرے مقدر میں تھے نا۔" نورین نے پیار سے کہا۔
"واہ بھئی... تم بھی فلاسفی پڑھانے والے شوہر کے ساتھ رہ کر فلاسفر ہوگئی ہو۔ اب تو ہمارے ہاں بقراط یا افلاطون کی پیدائش ہوگی۔" اس نے مذاقاً کہا۔
"جی نہیں... لیلیٰ بھی پیدا ہو سکتی ہے۔"
"لیلیٰ کیسے ہو سکتی ہے بچے کا نہ باپ کالا ہے نہ ماں۔"
"کالا گورا نہیں میرا مطلب ہے ایک پیاری بچی ہے۔" نورین نے مسکرا کر کہا۔
"اوہو... ہاں ہم نے تو معلوم ہی نہیں کیا نا کہ بچہ ہے کہ بچی، جبھی تو اس بحث کی نوبت آگئی... چھوڑو... کوئی بھی ہو، ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ اولاد تو ہے نا۔" شہزاد نے شکر ادا کیا۔
"سنیں! اب تو آپ غزلوں، نظموں کے بجائے بچوں کے لئے پیاری پیاری نظمیں لکھیں گے نا۔" نورین نے شہزاد کو کچھ لکھتے دیکھ کر پوچھا۔
"وہ تو میں کب کا لکھ چکا۔" شہزاد نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔
"اچھا کب مجھے بھی دکھائیں۔"
"اپنے لڑکپن میں چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھتا تھا۔ باجی کی گڑیا۔ میرا اسکول۔ میری امی۔ منی کا طوطا وغیرہ۔"
"ہاہاہاہاہا... نورین نے قہقہہ لگایا۔

(نظم) تمہاری آمد سے پہلے
منتظر آنکھیں مری ہر دم
استقبال کرنے کے لئے
بے چین رہتی ہیں
تم آؤ!
اور میں تم کو
مچلتے بازوؤں میں سمیٹوں
خوب چوموں
گدگداؤں
ننھے منے، نرم و نازک
ہاتھ میں انگلی تھماؤں
اور تم اوہ آں کی آوازیں نکالو
پھر تمہیں میں دیکھ کر
جینے کے سب رستے نکالوں
واہ بھئی واہ... بچے کی آمد سے پہلے ہی نظم موزوں ہوگئی۔ اسے فریم کرا کے گھر میں آویزاں کردو۔ جب بچہ بڑا ہوگا تو پڑھے گا۔" دونوں نے مشترکہ قہقہہ لگایا۔

......*

"ہیلو... شہزاد! مجھ سے ایک بار مل لو۔"
"تمہیں میرے بارے میں اتنی خوش گمانی کیوں ہے؟" شہزاد نے پوچھا۔
"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" مریم نے انکشاف کیا۔
"ابھی کہہ دو اگر کچھ رہ گیا ہو تو... میں تم سے مل نہیں سکتا۔"
"فون پر نہیں... تمہارے روبرو بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ میں نے سلمان سے کیوں شادی کی۔"
"مجھے تمہاری ذاتی باتوں سے کوئی سروکار نہیں۔"
"جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ کسی کی بیٹی کے ساتھ نہ ہو۔"
"میرا ان باتوں سے کیا تعلق ہے۔" اس نے فون بند کردیا۔
دوسرے دن وہ کالج سے گھر کے لئے روانہ ہونے ہی والا تھا کہ گاڑی میں بیٹھتے وقت ایک برقع پوش عورت نے تیزی سے دروازہ کھولا اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ابھی وہ کچھ سمجھنے کی کوشش میں ہی تھا کہ عورت نے نقاب الٹ دیا۔ وہ ششدر رہ گیا۔ وہ مریم تھی۔
"تم مجھے غلط نہ سمجھو... میں تم سے تمہاری محبت کی بھیک نہیں مانگ رہی۔ گاڑی میں بیٹھ کر میری بات سن لو۔"
وہ خاموش سے بیٹھ کر بلا مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑانے لگا اور وہ بولتی رہی۔

(adsbygoogle = window.adsbygoogle || []).push({});

"سلمان نے مجھے شادی کی رات بتایا کہ اس نے مجھے پھانسا تھا۔ تاکہ پاپا سے کسی دیرینہ رنجش کا بدلہ لے سکے۔ میں اسے اپنے باپ کا دوست سمجھتی رہی۔ اور وہ مجھے پھنسانے کے لئے جال بنتا رہا۔ کب کیا اور کیسے ہوا مجھے معلوم ہی نہ ہوگا۔ جب مجھے ہوش آیا تب تک میری شکم میں اسکا بچہ پرورش پا رہا تھا۔ میں تڑپ کر رہ گئی اور اس سے شادی کرنا بہتر سمجھا۔ کیونکہ تمہارا سامنا کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ تمہیں کیسے یقین دلاتی کہ میں تمام حالات سے ناواقف تھی۔ اتنا بڑا حادثہ ہوگیا اور عورت کو خبر ہی نہ ہو اس بات کا کوئی یقین نہیں کرے گا۔ میں تمہیں دھوکا بھی نہیں دے سکتی تھی۔ سلمان کو میری اور تمہاری محبت کا بھی علم تھا۔ وہ اب تک اکیلے میں تمہارے نام کے کچھ کے لگاتا تھا۔ کتنا تھا وہ تو منگیتر تھا۔ اس کے آگے تو سر جھاک دیتی ہوگی۔ بتاؤ کب اور کہاں، کن ہوٹلوں میں رنگ رلیاں بناتے تھے تم لوگ۔ میں تو بے موت ماری گئی ہوں۔ میری زندگی میں کچھ بھی نہیں ہے۔ تمہاری خوش گواریادوں کے سوا۔ یہ تو میں جانتی ہوں کہ اس کے لاپتہ ہونے سے میں نے سکون کا سانس لیا ہے۔"

وہ ہکا بکا سنتا ہی رہا... پھر بولا... "میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔ تم کوئی ننھی بچی تو تھی نہیں کہ تمہیں کچھ پتہ ہی نہ چلا ہو کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"اگر دھوکے سے نشہ آور شے پلادی جائے تو کون ہوش میں رہتا ہے۔"

"اسے رات گئے کسی فارم ہاؤس سے گرفتار کیا گیا تھا پھر اس کا پتہ نہ چل سکا۔"

"بتاؤ... تمہیں کہاں ڈراپ کروں... مجھے ضروری کام سے کہیں اور جانا ہے۔"

"تم سے بس اتنی گزارش ہے کہ مجھے دھوکے باز مت سمجھنا۔"

"اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ تم نے شادی کی حامی بھری تھی۔"

"یہ بالکل سچ ہے... میں تمہیں دھوکا کیوں دیتی۔"

"مجھے کچھ بتاتی تو... تم نے میری محبت پر بھروسہ نہ کیا۔"

"نہیں ایسا نہیں تھا۔ میں نے تمہاری محبت کے قابل خود کو نہیں سمجھا۔ میں کس منہ سے تمہارا سامنا کرتی۔ میں تمہیں کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ نہ ہی شرمساری کی زندگی کاٹ سکتی تھی۔ یہ سب باتیں جان کر بتاؤ اب کیا تمہیں میں قصوروار لگتی ہوں۔ یا تم مجھے ہی قصوروار سمجھتے ہو؟"

"واللہ اعلم۔"

"میں تو محبت کی پگڈنڈیوں پر تمہارے ساتھ رواں دواں تھی۔ اس نے کسی طرح گھات لگایا مجھے آج تک معلوم نہ ہوسکا۔ جب دوسری بار اس نے مجھے کھلے الفاظ میں شب سری کے لئے مدعو کیا اور میں نے انکار کردیا تو اس نے بتایا کہ یہ سب کچھ پہلے بھی ہوچکا ہے جب میں ہوش میں نہیں تھی۔ کسی تقریب میں اسنے جوس میں نشہ آور شے ملا کر مجھے کسی کمرے میں پہنچوا دیا اور پھر وہاں مجھے انجکشن کے سہارے تین گھنٹے تک مدہوش رکھا۔ یہی سب بتانے کے لئے دوبارہ بلا کر پہلے والے کام کئے۔ اس دن اس نے خوب مجھے نوچا کھسوٹا۔ اور تیسری بار آنے کے لئے اصرار کیا۔ میں دم بخود رہ گئی۔ لالچ پر بھی اس نے شادی کے لئے بہت دباؤ ڈالا۔"

"تم مجھے تو بتاتی۔" شہزاد نے رنجیدہ ہوکر کہا۔

"یہ ساری باتیں کون مرد برداشت کرے گا۔"

"تو اب مجھے کیوں بتا رہی ہو؟"

"تاکہ تم میری وفا پر الزام نہ دھرو۔"

"کیا تمہارے والدین کو بھی کچھ نہیں معلوم؟"

"نہیں کسی کو بھی نہیں معلوم۔ اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو ورنہ میری میڈیکل رپورٹ سب کو دکھا دے گا۔ اور شادی سے انکار کی صورت میں ابو اور تمہیں قتل کروا دے گا۔"

"انہی دنوں میں اپنی سب سے اچھی سہیلی طاہرہ سے بھی کٹ گئی۔ میں نے جان کر طاہرہ سے کنارہ کیا اور اپنے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگا کر خود کو حالات کے حوالے کردیا۔

"تمہیں ہار نہیں ماننی چاہیے تھی۔ سچائی توڈٹ جایا کرتی ہے۔ مقابلہ کرتی ہے حالات کا۔ تم نے کیوں نہ ہمت سے کام لیا؟"

"میرے ساتھ اس نے جو کچھ کیا وہ بہت غلط تھا بھلا عورت کی مرضی کے بغیر سب کچھ باربار ہوسکتا ہے۔ میں کسی سے کس طرح تذکرہ کرسکتی تھی۔"

"تمہیں کم ازکم اپنی ماں کو اعتماد میں ضرور لینا چاہیے تھا۔ مائیں بیٹیوں کے لئے کٹھن حالات میں ڈھال بن جایا کرتی ہیں۔"

"میں شدید کرب واذیت سے گزری ہوں۔ جائزہ وناجائز، پاکی وناپاکی جیسے مسائل نے مجھے نفسیاتی مریض بنادیا ہے۔ لڑکیوں کو کبھی اکیلے نہیں رہنا چاہیے۔ کبھی بھی نہیں۔ جانے کون جال لئے بیٹھا انتظار کررہا ہوتا ہے۔

جب ہم جیسی پڑھی لکھی، مضبوط عورتوں کے ساتھ یہ سب کچھ ہوسکتا ہے تو اس معاشرے کی پسی ہوئی، غریب عورتوں کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوتا ہوگا۔"

"آئندہ کا سوچو۔"

'کیا سوچنا ہے۔ خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا ہے۔ میرے دونوں بچوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ تم سے زیادہ مخلص آدمی میری زندگی میں اور کوئی نہیں ہے۔"

"اللہ حافظ... اس نے تیزی سے دروازہ کھولا اور سامنے سے آتے رکشے کو ہاتھ دے کر روکا اور اس میں بیٹھ کر چلی گئی۔

وہ گاڑی میں اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک رکشہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہوگیا اور اس کے حواس بحال نہ ہوگئے۔

اس کے سمجھ میں نہیں آسکا کہ وہ کیا کرے۔ یہ ایسا معاملہ تھا کہ اس پر دکھی بھی نہیں ہوا جاسکتا تھا، وقت اتنا گزر چکا تھا اور بات اتنی پرانی ہوچکی تھی کہ غصے کا اظہار بھی بے کار تھا۔ سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرنا بھی مشکل تھا۔ وہ طرح طرح کے سوالوں میں الجھتے ذہن کو جھٹک کر اور لمبے لمبے سانس لے کر اپنی سوچوں سے الگ کرتا رہا پھر گھر کی جانب گاڑی موڑلی۔ جہاں اس کے جنت نما آشیانے میں وفا شعار بیوی یقیناً اس کی قدموں کی آہٹ سننے کی منتظر تھی۔ جسے تاخیر کی صورت میں خدشے ستانے لگتے۔ اس نے اپنے ذہن کو آنے والے بچے کی طرف مبذول کرلیا۔

"یہ مریم کیوں میری زندگی میں دوبارہ آگئی ہے؟ خدایا مجھے ہر امتحان سے سرخرو نکالنا۔ خدا جانے وہ میری ہمدردی کیوں حاصل کرنا چاہ رہی ہے۔ مجھے یہ سب کیوں بتارہی ہے۔ اسے کیوں یہ ضرورت پیش آگئی کہ میں اسے بے وفا نہ سمجھوں؟" اسی طرح کی سوچوں میں گھرا وہ گھر پہنچ گیا۔ پہلے سوچا کہ سارا احوال نورین کے گوش و گلزار کرکے اس سے مشورہ مانگے... مگر نہیں... جیسے نازک حالات سے وہ گزر رہی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی مشکل پیش آسکتی ہے۔ دل میں مریم کے لئے سوائے اجنبیت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے یا اسے دھتکارنے کی بھی ہمت نہیں۔ ایسا کر بھی کیسے سکتا تھا۔ کبھی جس کی جھیل سی آنکھوں میں ڈوبا رہتا تھا۔ اب اس کے آگے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ نگاہیں جھکائے رکھے، مبادا پرانی محبت دوبارہ نہ سر اٹھالے۔

وہ دوراہے پر کھڑا تھا۔ نورین کی طبیعت کچھ کہنے سے روک رہی تھی۔ اس معاملے میں وہ تنہا ہوگیا تھا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ نورین کو مریم کے بارے میں جان کر کوئی شاک نہ پہنچے کہ بچے کی ولادت میں پیچیدگی پیدا ہو۔ بہتر یہی تھا کہ چھٹی لے کر جلد از جلد طاہرہ کے گھر امریکا چلا جائے۔

وہ آج ڈسٹرب تھا لہذا گھر جانا مناسب نہ سمجھا اور نورین کو فون کردیا کہ ویزے کے سلسلے میں ایک ضروری ملاقات کرنی ہے۔ لہذا وہ کوئی ٹینشن نہ لے۔ ایک کولیگ کے پاس ڈیڑھ گھنٹے بیٹھ کر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور گاڑی کو دوبارہ گھر کے رستے پر ڈال دیا۔

"آپ نے ایمبیسی جانے کا یکایک پلان بنالیا؟"

"ہاں وہاں ایک صاحب سے بھی ملنا تھا۔ مگر آج وہ بہت بزی ہوگئے۔"

"کھانا کھایا؟" نورین نے پوچھا۔

"نہیں... میں ٹریفک میں پھنس گیا تھا۔ لنچ ٹائم رستے میں ہی گزر گیا۔ لہذا یونہی واپس آگیا۔۔ تم کھانا لگاؤ۔ میں شاور لے لوں۔" شہزاد کے نہاکر فارغ

ہونے تک اس نے میز پر کھانا چن دیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے کھانے پر نورین کا ساتھ دیا۔ پھر حسب عادت لیٹ گیا۔ وہ سونا چاہ رہا تھا پر نیند کی پری مہربان ہونے کو تیار نہیں تھی۔ کروٹیں بدلنا اسے خود بھی محسوس ہو رہا تھا۔

"کوئی کام اٹک گیا ہے کیا؟" نورین نے پوچھا۔

"نہیں ایسا تو کچھ نہیں ہے مگر امریکا جانا آسان نہیں ہوتا۔ تم طاہرہ سے رابطے میں رہنا۔ اگلے ہفتے تک ہمارے سارے کام مکمل ہوجائیں گے۔ وہاں ہاسپٹل میں تمہاری رجسٹریشن وغیرہ بھی کروانی ہے۔"

"اس کی فکر آپ نہ کریں۔ طاہرہ ہے نا وہ سنبھال لے گی۔" نورین نے تسلی دی۔

......*

دوسرے دن کالج سے واپسی کے بعد اس نے چند جوڑے اپنے نورین اور بچے کے لئے خریدے اور پیکنگ بھی خود ہی کی۔

شکاگو پہنچتے ہی جاوید اور طاہرہ نے خوش آمدید کہا۔ جاوید کو دیکھ کر ہی دل مطمئن ہوگیا۔ طاہرہ نے اسے خوب سنوارا سدھارا تھا۔ اب وہ کہیں سے بھی پہلے والا لاابالی اور غیر ذمہ دار جاوید نہیں لگ رہا تھا۔ گھر کے کاموں میں بھی وہ طاہرہ کا پورا ساتھ دیتا۔ بیٹے کے ساتھ کھیلتا۔ پہلے کے مقابلے میں وہ اب ایک خود اعتماد شخص لگ رہا تھا۔ دل سے یہ دعا نکل رہی تھی کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے۔ شہزاد نے اپنی تسلی کی خاطر اپنے دوست سے بات کی جو کہ جاوید کا باس تھا۔ تو معلوم ہوا کہ دفتری معاملات میں بھی وہ ٹھیک جارہا ہے۔ اور ذہنی طور پر کافی شاپ ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ طاہرہ سکھی تھی۔ ورنہ جاوید سے شادی کے بعد اس نے پریشانیاں دیکھی تھیں۔

نورین طاہرہ کے گھر آکر بہت خوش تھی۔ گھر کے قریب ہاسپٹل میں نورین کا چیک اپ اور رجسٹریشن بھی ہوگیا۔ دونوں مل کر خوشی خوشی سارے کام کر رہی تھیں۔ شام کو جب سب اکٹھے بیٹھتے تو گھر کا ماحول خوشگوار ہوجاتا۔ وقت تیزی سے پر لگائے بغیر اڑا جارہا تھا۔

طاہرہ نے کہا۔ "بھیا آپ بھی یہاں شفٹ ہونے کا سوچیں۔ میرا بے بی کیئر سینٹر کھولنے کا ارادہ ہے۔ سچ میں اور نورین مل کر اچھی طرح چلا لیں گی۔ بلکہ اس کے مطابق اس نے تحریری پلاننگ تک کرلی ہے۔ رقم بھی میں انداز کی ہوئی ہے۔

......*

اس نے امریکا جاکر بھی بہت کوشش کی کہ اس کے خیال کو جھٹکنے کی مگر چھٹکارہ نہ مل سکا۔ اس نے اپنے دل سے پوچھا کہ مریم جھوٹی ہے یا سچی؟ ہر بار نورین کا معصوم چہرہ اس کے سامنے آجاتا۔ گویا مریم کے خیال پر نورین کا تصور حاوی تھا۔ اور پھر اپنا ہمکتا ہوا نومولود اس کے خیالوں پر چھاجاتا۔ طاہرہ بار بار یاد دہانی کرا رہی تھی کہ "بھیا یہیں شفٹ ہوجائیں میں اور جاوید اکیلے ہیں۔" دراصل وہ اپنے بھائی اور بھابی کو مریم کے سائے سے بھی دور رکھنا چاہتی تھی۔ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ مریم اس کے بھائی سے ملاقات بھی کرچکی ہے اور اس کا بھیا اسی کے گھر میں بیٹھ کر مریم کے خیال کو جھٹکنے کی کئی بار ناکام کوشش کرچکا ہے۔ اس کی پوری توجہ نورین کی جانب تھی۔ تاکہ وہ مریم کے بھوت سے چھٹکارہ حاصل کرسکے۔ نورین کو اسپتال میں داخل کرانے کے بعد وہ زیادہ تر اسپتال کے چکر لگاتا رہتا۔ حالانکہ وہاں اس کی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی اس کے پاس بیٹھا گفتگو کے ذریعے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا رہتا تاکہ اسے اپنی تکلیف کا احساس کم ہوتا محسوس ہو کیونکہ مصیبت یا تکلیف کے وقت پہلا مرہم تو کسی اپنے کا سہارا یا قربت ہی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا کہ بے بی رات تک اس کی گود میں آجائے گا۔ اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ وہ نورین کی تکلیف کے احساس کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے سرہانے بیٹھا کبھی اس کے بال سہلاتا، کبھی ہتھیلی تھپتھپاتا۔ کبھی تسلی بھرے جملے فقرے کہتا۔ کبھی پاؤں دبانے بیٹھ جاتا۔

وہاں کے میڈیکل اسٹاف نے اسے "لوگرو" کہنا شروع کردیا۔ شام سے کچھ دیر قبل ہی ایک گلابی گلابی نرم و ملائم بچی اس کی بانہوں میں آگئی۔ جلد ہی اسپتال سے چھٹی مل گئی۔ گھر جاکر سب نے بچی کے گرد جھمگٹا لگالیا۔ کبھی کوئی اس کا معائنہ کر رہا ہوتا کبھی کوئی۔ طاہرہ کا بیٹا پہلی بار بے بی کو دیکھتے ہی خوش ہوگیا۔ تمہارے گھر ڈول آئی ہے۔" خوب شور مچایا۔ کھلونوں سے کمرہ بھر گیا اور یہ سارے کھلونے بڑے پھیلائے بیٹھے تھے۔ جیسے بے بی ابھی ان سے کھیلنا شروع کردے گی۔ بس وہ شہزاد کی سنائی ہوئی لوری کی آواز پر کسی کسی وقت آنکھیں کھولتی تھی۔

گلشن میں پھول کھلا

تتلی کو رنگ، ملا

پھولوں کے سنگ چلا

بادل بھی جھوم اٹھا
اترائی باد صبا
آنچل بھی خوب اڑا
تاروں کے اور چلا
آجا آجا نندیا
بے بی کو لوری سنا
نندیا بھیلے کے آ۔

شہزاد نے یہ لوری سوئی ہوئی بچی کو اتنی بار سنائی کہ اب یہ لوری سبھی کی زبان پر تھی۔ اور یکے بار دیگرے کوئی نہ کوئی بندہ اسے بے بی کو سنا ہی رہا ہوتا تھا۔ وہ سب مل کر نورین اور بچی کا خیال رکھ رہے تھے۔ طاہرہ گھر کے تمام معاملات دیکھتی اور جاوید اور بھیا اس کے اسسٹنٹ بنے پھرتے۔ ان کا بیٹا مہران تینوں کے پیچھے پیچھے گھومتا رہتا۔ بچی کو آئے چھ دن ہونے والے تھے کہ سب نے مل کر چھٹی منائی طاہرہ نے ہلدی والے چاول یعنی لمہاری پکائی، لڈو منگوائے گئے اور آپس میں ہی ایک دوسرے کو کھلاتے رہے۔ اسی طرح انجوائے کرتے ہوئے دو ماہ گزر گئے۔ اب شہزاد کو جانے کی فکر ہوئی۔ چھٹیاں ختم ہونے میں دس دن رہ گئے تھے۔ شہزاد نے پیکنگ کرنا شروع کردی۔ اُدھر طاہرہ بار بار یاد دلاتی "بھیا جاتے ہی یہاں سیٹل ہونے کے لئے بھاگ دوڑ شروع کردیجئے گا۔ آپ میرے پاس رہیں گے تو ایک سے دو بھلے۔"

"تو کیا جاوید کی طرف سے اب بھی کوئی پریشانی کے امکانات ہیں؟"

"نہیں بھیا۔ مگر اسے بھی معلوم ہو نا کہ میرا بھی کوئی ہے۔ دس واقف کار آس پاس رہتے ہوں تو بھی عورت ایک طرح سے محفوظ اور مضبوط رہتی ہے۔ یونہی کلک مارنا آسان نہیں رہتا کہ آجائیں گے اس کے والی وارث۔"

"اوہ اچھا... حفظ ماتقدم۔" شہزاد مسکرایا۔

"ہاں یوں ہی سمجھ لیں۔" اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ "کراچی میں مجھے زندگی غیر محفوظ لگتی تھی یہاں تو قدرے سکون ہے۔"

"شکر ہے۔" شہزاد نے کہا۔ اور اسے تسلی دی۔

* * *

سنو! میں شکاگو جاکر اپنی اسٹڈیز پر توجہ دوں گا۔ اچھا ہے وہاں رہتے ہوئے کچھ حاصل ہوجائے۔"
"ہاں... میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ وہاں بڑھانے کے ساتھ ساتھ آپ خود بھی پڑھیں۔" نورین نے مشورہ دیا۔
"سارے پروسز میں تین ماہ تو چاہیے ہے۔ تبھی ہم وہاں جاسکتے ہیں۔ چند اور دوستوں سے رابطہ کیا ہے۔ جو وہاں ایجوکیشن سے وابستہ ہیں۔ انشاء اللہ اچھے مشورے سے نوازیں گے۔"
"جانے سے پہلے سب سے ملاقات ضروری ہے۔ یعنی تمہاری امی اور بہنیں اور جاوید کے بھائی وغیرہ۔" شہزاد نے کہا۔ اور ایک دن ان سب کو اپنے گھر مدعو کیا۔ بہت عرصے بعد ان سب کی روبرو ملاقات ہورہی تھی ورنہ اپنا آپ سنبھالنے پر ہی زیادہ وقت لگ گیا تھا۔ اس کی ممی نواسی ہنی کو سینے سے چمٹائے بیٹھیں تھیں۔ دونوں بہنیں گھر میں اڑتی پھر رہی تھیں۔ ان کی خوشی تو دیدنی تھی۔ طرح طرح کے مشوروں سے نورین کو نوازے جارہی تھیں۔
اسی وقت طاہرہ لیپ ٹاپ پر آن لائن ہوگئی۔ ورنہ تو یہ سب کب سے اس کا انتظار کررہے تھے۔ سب جھمگٹا بناکر وہیں گھس گئے۔ بے بی کو اٹھا اٹھا کر دکھانے لگیں۔ دوسری طرف طاہرہ کے عقب میں جاوید اور مہران بیٹھے تھے۔ بہت دنوں بعد سب اکٹھے ہوئے تھے بلکہ بہت دنوں کیا شادی کے بعد ہی یہ اتنی بڑی تقریب ہوئی تھی جس میں قریبی لوگ موجود تھے۔ فرق اتنا ضرور تھا کہ وہ شادی خانہ آبادی تھی۔ یہ الوداعی تقریب۔ وہ بھی ایسی جس میں سبھی مسرور تھے۔
اسکرین کے اس بار امریکا اور اس پار پاکستان تھا۔ خوب گفتگو جارہی تھی۔
طاہرہ نے کہا۔ "نورین سے پوچھو کتنی تیاری ہوئی؟"
آپ فکر نہ کریں ہم سب کروادیں گے۔ نورین کی دونوں بہنوں نے اکٹھے جواب دیا۔
* * *

جلد ہی وہ دن آگیا جب وہ کراچی سے شکاگو کی طرف پرواز کررہے تھے۔ دونوں ہی زیادہ تر چپ چپ تھے۔ اس شہر سے ایسی یادیں وابستہ تھیں جو حاصل زندگی تھیں۔
کچھ تو خاص بات ہے اس شہر ناپرساں میں کہ اس کو چھوڑتے ہوئے دل کے آسمان پر دکھ کے بادل چھا جاتے ہیں۔ نورین تو ہنی میں لگی ہوئی تھی۔ شہزاد بھی بیوی اور بیٹی کی جانب متوجہ تھا مگر لبوں پر خاموشی کی مہر لگی ہوئی تھی۔
"تمہیں دکھ ہورہا ہے نا یہاں سے جاتے ہوئے۔" نورین نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"میں تو اس شہر کو کب کا الوداع کہہ چکا ہوتا اگر تمہارے شہزاد اس میں گم نہ ہوگیا ہوتا۔" اس نے دھیرے سے اس کے قریب جھکتے ہوئے کہا۔ نورین نے اس کی جانب محبت پاش نظروں سے دیکھا۔ تو اس کی توجہ ہٹ گئی۔ بے بی دورانِ پرواز نیند کی آغوش میں ہی رہی۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں مگن رہے۔ جب کبھی کوئی اعلان ہوتا تب چونکتے ورنہ تجدید محبت کے لئے انہیں یہ موقع خوب ملا تھا۔ "تمہارے ساتھ میں یہی خاص بات ہے بندہ خود کو توانا محسوس کرتا ہے۔ محبت توانائی ہی تو ہے جو مل جائے تو ٹوٹے پھوٹے چٹختے جسم و جاں میں بھی انرجی پیدا کردیتی ہے۔"
"میں تمہاری محبت میں اس قدر ڈوب چکی ہوں کہ مجھے احساس ہی نہیں ہوتا کہ میں کس قدر خوش ہوں۔" نورین نے سرشاری سے کہا تو اس نے اس کے گرم رخسار پر مہر محبت ثبت کردیئے۔
"ہنہ... کوئی دیکھ لے گا..." نورین نے دائیں بائیں دیکھا۔
"یہاں کوئی نہیں دیکھتا... تاکا جھانکی، دوسروں کی کن سوئیاں لینا دیوار سے کان لگائے رکھنا ہمارے معاشرے میں موجود ہے۔"

"تم بہت پیارے انسان ہو۔" اس نے دھیرے سے کہا۔
"تم سے کم۔" اس نے کسر نفسی سے کام لیا۔
"ہماری ہنی بالکل تمہاری طرح ہے۔" نورین نے کسمساتی ہوئی بچی کی طرف دیکھ کر کہا۔
"مجھے تو یہ تمہارا پرتو لگتی ہے۔" شہزاد نے بچی کے گال سہلائے۔
"تم امریکا جاکر دوبارہ ایجوکیشن کی طرف توجہ دینا۔ ایسا کرنا بچی کے ساتھ پڑھنا شروع کردینا۔" وہ ہنسا۔
"نہیں بھئی پھر تمہارا اور بے بی کا خیال کون رکھے گا۔" نورین نے پوچھا۔
مل جل کر سب ہوجائے گا۔ جہاں اتفاق ہو وہاں آدھے مسائل خود ہی حل ہوجاتے ہیں۔ کسی کتاب میں لکھا ہے شادی کے بعد عورت ہی کا کام ہے گھر بچے اور شوہر سنبھالے۔ میں تو یہ سب نہیں مانتا۔ گویا عورت نوکرانی کی طرح اور شوہر نواب کی طرح۔ عجیب زندگی ہوجاتی ہے۔ شوہر گلچھرے اڑا رہے ہوتے ہیں اور بیویاں پس رہی ہوتی ہیں۔ پھر شکایتیں الگ جنم لیتی ہیں۔ نااتفاقی الگ اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔"
"اچھا... جی جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا۔ سب کروں گی آپ کی محبت میں۔" نورین نے فرمانبرداری سے کہا۔ آپ میری رہنمائی کرتے رہا کیجئے گا۔"
"رہنمائی تو محبت خود ہی کیا کرتی ہے۔ محبت ہو تو راستے آسان اور منزل قریب آجاتی ہے۔ یہ دنیا آراستہ و پیراستہ ہی محبت کی بنیاد پر ہے۔"

محبت اک کھلا در ہے
کہ جس کی
نیم وا آنکھوں میں
ختم ہوتا کوئی منظر
کبھی داخل نہیں ہوتا
یہاں آغاز ہی آغاز ہوتا ہے
محبت کرنے والے
داستانِ عشق کے ایسے مسافر ہیں
کہ جن کی زندگی میں
روشنی ہی روشنی
امید بن کر
جھل سلاتی ہے
یہیں جینا سکھاتی ہے

* * *

"ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے محبت کا آغاز اب ہوا ہو۔ جب ایک فرشتہ ہمارے درمیان آئی ہے۔ محبت کا اصل مفہوم میں اب سمجھی ہوں جب یہ بچی میرے بازوؤں میں کسمسائی۔ محبت میرے اندر اتری ہی تب ہے جب میں نے بے بی کو پہلی بار اپنے سینے سے لگایا۔"
"محبت کے اپنے ادوار ہوتے ہیں۔ تمہیں یاد ہے جب ہم دونوں شرعی طور پر ایک تھے مگر الگ الگ رستوں کے مسافر تھے۔ اور بے آسرا پنچھوں سے ملاقاتوں میں اپنا اپنا وقت گزارتے تھے۔

تمہیں وہ وقت یاد ہے جب ہم دوسرے ناموں سے ایک دوسرے کو پکارتے پکارتے اپنے اپنے ناموں کی طرف واپس پلٹے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا جب ہم ایک دوسرے سے گریزپا تھے۔ ایک لمحہ ایسا بھی تھا کہ مجھے محسوس ہوا کہ جو میرے پہلو میں سمائی ہوئی ہے وہی میری ہے اور میرے لئے ہے۔ ایک سماں ایسا بھی رہا کہ ہم ایک دوسرے میں گم ہو کر غم ہو رہے تھے۔ صبح سے شام اور شام سے صبح ہوتی گئی مگر ہماری محبت کا خمار ٹوٹا ہی نہیں۔ ایسا اس لئے ہوا کہ ہم دونوں اپنے اصل کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے رہے۔ ہماری کوئی بات ایک دوسرے سے مخفی نہیں ہے۔ ہم نے ایک دوسرے کے جذبات کی قدر کی ہے۔ لہذا ہمارے درمیان کوئی تنازعہ کھڑا نہیں ہوا۔ جب مجھے کسی سے محبت ہو سکتی ہے تو کسی بھی لڑکی کو کسی اور لڑکے سے عہد و پیمان کرنے سے کیوں روکا جائے۔ یہ سماج چاہتا ہے کہ صرف مردوں کی محبت ہوا کرے کوئی عورت کسی کو پسند کرنے کا اختیار نہ رکھے۔ جبھی تو معاشرے تباہی کی انتہا پر ہے۔"

نورین نے اس کی باتیں سننے کے بعد کہا۔ "آپ کے جیسا تو کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔" اس نے اپنا سر اس کے بازو پر رکھ دیا۔ اس نے محبت کو چوم لیا۔ فضا میں تھکی گھل گئی۔ ایک دلکش آواز نے جہاز کے لینڈ کرنے کا اعلان کیا تب وہ چونکے۔ پھر بھی ایک دوسرے کے ہاتھوں کو تھامے ہی رکھا۔

......*

طاہرہ نے اپنے گھر کے قریب ہی بھائی بھابھی کے لئے بھی انیکسی سجا رکھی تھی۔ جاوید نے کہا بھئی ہمارا دوسرا کمرہ بھیا کو دے دو مگر طاہرہ متفق نہ تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ "منہ بولے جوڑے الگ الگ رہیں تو بہتر ہیں جوائنٹ فیملیز اومان پرور، لوگوں کے لئے ٹھیک نہیں رہتا۔ بہتر ہے کہ وہ اپنے اپنے گھونسلوں میں اپنی مرضی کے مطابق رہیں۔ اومانوی جوڑوں کی ایک اپنی الگ دنیا ہوتی ہے جس میں میں کہ وہ قدرت کے نہاں رازوں سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ وہ خود بھی ان ہی رستوں کی مسافرت میں تھی۔ لہذا اس سے بہتر کون یہ معاملات سمجھ سکتا تھا۔

نورین سے مل کر وہ اپنا بزنس پلان ڈسکس کرتی۔ اسے تو فرصت نہیں تھی تمام معاملات وہی دیکھتی۔

"پورے ہفتے کا کھانا تیار کئے بیٹھی ہے۔" شہزاد نے فریج سے پانی نکالتے ہوئے کہا۔

"یہاں تو ایسے ہی ہوتا ہے۔ وقت بچانا پڑتا ہے۔ تاکہ دوسرے کام ہو سکیں۔ پاکستان کی طرح تھوڑا ہی کہ بس عورت روزانہ صبح، دوپہر شام چولہا ہانڈی ہی کئے جا رہی ہے... لاؤ ذرا ہنی کو مساج کر دوں بولتے بولتے طاہرہ نے بے بی کو گود میں اٹھا لیا۔

"نہیں ابھی رہنے دو..."

آپ تو کرتی ہی رہتی ہیں۔ میں بھی ذرا اپنا شوق پورا کر لوں۔ طاہرہ بے بی کا مساج کرتی رہی۔ اس کا بیٹا قریب بیٹھا دیکھتا رہا۔ پھر بولا کیا اب ہنی ریسلنگ کے لئے جائے گی۔ سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

......*

شہزاد جاتے ہی اپنی اسپیشلائزیشن میں مصروف ہو گئے۔ جاوید بھی ٹھیک جا رہا تھا۔ اس کے ٹیلنٹ سے اس کی کمپنی فائدہ اٹھا رہی تھی۔ پاکستان میں اس کی صلاحیتیں برباد ہو رہی تھیں۔ نورین اور طاہرہ اپنے بے بی ڈے کیئر سینٹر میں بزی رہتے ساتھ ہی ان کے بچے بھی ہوتے۔ شہزاد نے جاوید کے بڑے بھائی کو اس کے امریکا ایڈجسمنٹ کی خوش خبری سنا دی تھی۔ اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی کی تھی کہ وہ اس خبر کو اپنے تک ہی محدود رکھیں تو بہتر ہے۔

......*

اس دن طاہرہ خوشی خوشی شاپنگ کر کے واپس آئی۔ مارکیٹ میں اسے کوئی بچپن کی سہیلی مل گئی تھی جو وہاں ایک بار میں ملازم تھی۔ دونوں نے کارڈ کا تبادلہ کیا اور ایک دوسرے کو گھر آنے کا وعدہ کیا تاکہ ساتھ بیٹھ کر پرانی یادوں کے گلاب چن سکیں۔

اس ویک اینڈ پر اسے آنا تھا۔ صبا رازی کے لئے اس نے پاکستانی کھانے بنائے۔ گھر کی صفائی جاوید کے ساتھ مل کر کی۔ صبا نے آنے میں تاخیر کر دی معلوم ہوا کہ اس کے شوہر نے آتے وقت ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی سے ملنے جا رہی ہے۔ طاہرہ نے کہا کہ اسے بھی لے آتی تو وہ بولی ایسا ممکن نہ تھا۔ "میری دیرینہ دوست مجھے ملی ہے سمجھو کوئی آسرا ملا ہے۔

"کیا مطلب؟ طاہرہ نے چونک کر پوچھا۔

"بہت تنگ کرتا ہے۔" صبا نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

"کتنے سال ہو گئے؟"

"چار سال سے بھگت رہی ہوں۔"

بچے وچے؟ طاہرہ نے پوچھا۔

"یہ ویسا آدمی نہیں ہے ایسے تو صرف گزارے کے لئے عورت چاہیے۔ میری محبت کے سبزباغ کے سارے پھول مرجھا گئے ہیں۔"

اوہ... ویری سیڈ۔

"تم نے کیا سوچا ہے پھر اپنے بارے میں۔" طاہرہ پوچھ بیٹھی۔

ابھی تھینکس گاڈ تو کہنے دو۔ تم نے مجھے اپنے گھر بلایا ایسا لگا جیسے میرا کوئی سرپرست مل گیا ہو۔ صبا نے نہایت ممنونیت سے کہا۔

"شہزاد بھیا بھی یہیں ہیں۔" اس نے بتایا۔

"یہ تو اور بھی اچھا ہے ورنہ میں تو تنہا سمجھتی تھی خود کو۔"

"میرے ہزبینڈ اور بیٹا ابھی آنے والے ہیں۔ تم سناؤ۔ شوہر کیا کرتے ہیں تمہارے؟" طاہرہ نے ایک ساتھ کئی سوال کر دیئے۔

"تمہاری شادی یہاں ہوئی ہے یا کراچی میں؟"

"سانس تو لینے دو پھر سب بتاتی ہوں۔" صبا نے کہا۔

"مجھے جاننے کی جلدی اس لئے ہے کہ ابھی گھر خالی ہے۔ اپنے سارے دکھ سکھ میرے ساتھ شیئر کر سکتی ہو۔" طاہرہ نے جلدی جلدی کہا۔

"میری شادی کراچی میں نوید حسین سے ہوئی تھی۔ وہ بہت اچھے آدمی تھے۔ اچھی گزر بسر ہو رہی تھی۔ نوید کا اپنا بزنس تھا۔ سلمان اس کا دوست تھا۔ اس نے پہلے نوید کو مجھ سے متنفر کیا پھر مجھے ورغلایا۔ میاں بیوی کے درمیان بالکل شیطان کا رول ادا کیا سلمان نے۔ مجھے تو بعد میں معلوم ہوا کہ اصل بات کیا تھی۔ بس نوید کان کے کچے نکلے۔ انہوں نے معمولی بات پر مجھے طلاق دے دی۔ بھائیوں نے اکیلا چھوڑ دیا۔ بھابیوں نے جی بھر کے الزام تراشی کی۔ والدین کا تو بہت پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ تب میں بے آسرا ہو گئی تو اس نے مجھے شادی کے سبزباغ دکھائے اور کبھی لاہور، کبھی اسلام آباد لئے لئے پھرتا رہا۔ کسی کو پرسنل اسسٹنٹ بتاتا کسی کو وائف بتاتا۔ پھر میرے دباؤ ڈالنے بلکہ خودکشی کی دھمکی کے بعد نکاح کر ہی لیا اور یہاں شکاگو لے آیا۔ میں گھر میں بند بند تنگ آ گئی تو جاب کر لی۔ یہ تو اکثر غائب رہتا ہے۔ کبھی سارا دن کبھی ساری رات ان تین برسوں میں اس نے ایک اور شادی یہاں ایک انگریز عورت سے کی تھی جو اسے چھوڑ کر بھاگ گئی۔ مجھے تو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو پہلے سے شادی شدہ ہے اور کراچی میں اس کی بیوی اور بیٹے موجود ہیں۔ مگر یہ ان سے لاتعلق ہو چکا ہے۔ جب اس کی گرل فرینڈ چھوڑ جاتی ہیں تو پھر یہ میرے پاس آ جاتا ہے۔ میری مجبوری یہ ہے کہ کاغذات میں کم از کم خاوند کے خانے میں اس کا نام ہے۔ کبھی تو میرے پیسے بھی چھین لیتا ہے اور کبھی لا کر دیتا ہے۔ کچھ ذاتی باتیں پوچھوں تو تشدد پر اتر آتا ہے جیسے رات بھر کہاں رہے۔ اتنا نشہ نہ کیا کرو وغیرہ۔ اس نے تو صاف منع کر رکھا ہے۔ اولاد کے پیدا کرنے کی غلطی نہ کرنا۔"

"ساتھ رہنا چاہتی ہو یا چھٹکارہ چاہتی ہو۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"اب تک تو اکیلی تھی گزارا کر رہی تھی۔ مگر اب تھک گئی ہوں۔"

"ابھی جس طرح گزر رہی ہے گزرنے دو۔ آرام سے مل بیٹھ کر کچھ سوچیں گے۔ پہلے تمہیں اچھی جاب ڈھونڈنی ہوگی۔"
"میں تو خوابوں میں رہنے والی تھی۔ مگر اب یہی خواب عذاب ناک ہوگئے ہیں۔"
"تم سناؤ کیسی ہو...؟ یہ اطلاع تھی کہ تمہاری شادی کسی مقامی سیاستدان سے ہوگئی ہے۔"
"ہاہاہاہا..." طاہرہ نے قہقہہ لگایا۔
"یہاں اتنے عرصے میں کسی ہم وطن سے دوستی نہیں کی؟"
"ہم وطن تو یہاں کتنے ہیں۔ صرف ساتھ کھانے پینے کے لئے تیار ہوتے ہیں ہر وقت۔"
"ویسے بھی یہ کڑی نظر رکھتا ہے۔ اس کے حساب سے تو میں ان برسوں میں بیس پچیس دوستیاں گانٹھ چکی ہوں۔ ویسے آج کل ایک بار کا نیا ملازم مجھے کھلی آنکھوں سے سپنے دکھلانے میں لگا ہوا ہے۔ مگر مجھے اب خواب دیکھ کر کیا کرنا ہے مجھے تو تعبیر چاہیے۔"
جاوید اور مہران کے گھر میں داخل ہوتے ہی دونوں نے اپنا مزاج ہی بدل لیا۔ صبا بتانے لگی کہ کہاں کہاں شاپنگ کرنے جانا ہے۔ مہران کو کس پارک میں ضرور جانا چاہیے اور کیا کیا مصروفیات رکھنی چاہیے۔ اسی طرح ہنسی مذاق میں تین گھنٹے گزار کر وہ واپس چلی گئی۔

......*

"جب سے تمہارا ساتھ نصیب ہوا ہے زندگی بہت دلکش ہوگئی ہے۔ بس چاہتا ہوں تمہاری بندگی کرتے ہوئے آخری سانس لوں۔"
"پروردگار آپ کی زندگی طویل کرے تاکہ میں آپ کی محبت کی جنت میں طویل عرصے گم رہوں۔"
"کیا غضب کی رفاقت ہے تمہاری۔ کیا مزہ ہے تمہاری قربت میں۔ ایک شاعر کو اور کیا چاہیے۔ ایک حسین معصوم، سادہ دل، مہرباں آشنا۔ جس کی محبت میں کبھی کوئی شراکت ہی نہ ہو۔ زندگی کتنی بامقصد اور اہم ہے۔ جانے کیوں لوگ اسے ضائع کر دیتے ہیں۔"
"میرے پاس جو کچھ بھی ہے سب آپ کے عشق کا صدقہ ہے۔ چاہے یہ ننھی ہنی ہو، چاہے میری لبوں کی تازگی، میری رعنائی، زندہ دلی، سب آپ سے ملی ہے مجھے۔ آپ کی محبت نے سرشار کر رکھا ہے۔ مجھے سر سے پاؤں تلک۔ کیا نشہ ہے آپ کی باتوں میں اور کتنا سرور ہے آپ کی سپردگی میں۔ جب آپ پاس نہیں ہوتے تب بھی میں اسی نشے میں شرابور رہتی ہوں۔ سارے حسین لمحے آنکھوں میں ٹھہر جاتے ہیں۔" نورین بولتی ہوئی لمحے بھر کو رکی۔ تو وہ گنگنانے لگا۔ اس کی آواز نہایت دھیمی تھی مگر سر بہت واضح تھے۔ وہ بولی۔ "کیا شعر موزوں ہو رہا ہے؟ اس کا نقرئی قہقہہ در و دیوار نے بھی سنا۔
شہزاد نے کہا۔ "کہاں...! غزل تو میرے پہلو میں موجود ہے۔ جسے تم اپنی مخمور نگاہوں سے لکھتی ہو، اپنے رسیلے ہونٹوں سے سناتی ہو، تمہاری دلکشی اس میں رنگ بھرتی ہے۔ میں تو صرف اسے اپنے ذہن کے کاغذ پر ترتیب دیتا ہوں۔"
وہ کہتے کہتے ٹھہر گیا۔ عالم مدہوشی اور بھلا کیا ہوگی، اس نے دوبارہ کہا۔ "اپنا خمار مجھے بخش دو جانی... کہ یہی مجھے توانائی بخشتی ہے۔ میری شب و روز کو رنگین بناتی ہے۔ میری زندگی کے دن بڑھاتی ہے۔ میری ساری تھکن اتارتی ہے۔ میری راہوں میں مشعلیں روشن کرتی ہے۔ یہی محبت ہے۔"

......*

"ایک تو سارے زمانے کا غم تم نے ہی لے رکھا ہے۔ اپنے بیٹے کو بھی پالتی پوستی ہو۔ میری رہبری کرتی ہو۔ بھیا کا خیال رکھتی ہو۔ بھابھی کو پوچھتی رہتی ہو اور پھر ہنی بے بی کی فکر اوپر سے اس میں ایک اور اضافہ صبا بیگم کا ہوگیا ہے... یار... ذرا مجھے بھی تو بتاؤ۔ یہ تمہاری کس زمانے کی سہیلی ہے۔" جاوید

نے پوچھا۔
"بچپن کی محلے دار۔" طاہرہ نے مختصراً بتایا۔
"اچھا سنو، اسے ہماری کہانی یعنی "لواسٹوری" کا معلوم ہے؟" جاوید نے اپنی ایک آنکھ کو دباتے ہوئے پوچھا۔
"تم کیا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے تھے کہ سارے زمانے کو پتہ ہوگا؟" طاہرہ نے الٹا سوال کر دیا۔
"اچھا... سنو! صبا کے گھر چل کے دیکھیں تو سہی۔ اس نے جو کچھ کہا کتنا سچ ہے۔ تم باہر کھڑے رہنا۔ میں اندر جاؤں گی۔ کہتی ہے اس کا شوہر ظالم ہے۔"
طاہرہ نے آج کا شیڈول بیان کرتے ہوئے بتایا۔
شام سے پہلے ہی وہ جاوید کے ہمراہ صبا کے بتائے پتے کی طرف روانہ ہوگئی۔ گھر زیادہ دور نہیں تھا۔ آسانی سے مل گیا۔ اس نے جاوید کو دور کھڑا کیا اور خود کال بیل پر انگلی رکھ دی۔ اندر چڑیا کے چہچہانے کی آواز آئی اور کچھ دیر بعد ایک تقریباً پچاس برس کا خبطی سا شخص جمائیاں لیتا ہوا باہر آیا۔
"گڈ ایوننگ۔ میں صبا کی سہیلی طاہرہ ہوں۔ قریب ہی رہتی ہوں۔"
متعارف سن کر آدمی نے سر ہلایا اور اندر چلا گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ اپنا حلیہ درست کر کے نکلا اور خاموشی سے گیٹ سے باہر چلا گیا۔ اس کے پیچھے صبا برآمد ہوئی اور طاہرہ کو اندر لے گئی۔ اس کا پورا گھر ایسے بکھرا تھا جیسے کسی نے تلاشی لی ہو۔
"یہ شخص؟"
"یہی میرا شوہر ہے۔" طاہرہ کے سوال کے مکمل ہونے سے قبل ہی صبا نے بتا دیا۔ ابھی وہ کمرے کا مزید جائزہ لے ہی رہی تھی کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ ریسیو کیا۔ جاوید کہہ رہا تھا۔ "جلدی باہر آؤ۔"
وہ اسی لمحے واپس پلٹی۔
ارے! رکو تو سہی، اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ پہلی بار آئی ہو۔ میرے شوہر سے ڈر گئی ہو کیا؟"
نہیں... نہیں... بس تمہارا گھر دیکھ لیا... وہ تو ہم ادھر سے گزر رہے تھے سوچا تمہیں پوچھ لوں۔ ویسے بھی جاوید کو کہیں جانا ہے۔ اب تمہارا گھر دیکھ لیا نا۔ پھر کبھی سہی... طاہرہ نے مسکراتی آنکھوں کے ساتھ کہا اور ہاتھ ہلاتی ہوئی واپس پلٹی۔ صبا نے خدا حافظ کہہ کر دروازہ بند کر لیا۔

* * *

واپسی میں فون کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے جاوید نے کہا کہ صبا کے گھر سے نکلنے والے آدمی کو اس نے کہیں دیکھا ہے۔ بلکہ ایک پاکستانی بزنس مین ہے۔ جو وہاں عوام کو لوٹ کر بھاگا ہے اور یہاں پیسہ لٹا رہا ہے۔"
"او نو! یہ تو دو نمبر آدمی نکلا... تم تو اس سے نہیں ملے نا۔" طاہرہ نے پوچھا۔
"پاگل تھوڑی ہی ہوں۔ یہاں مجھے لوٹ کر بھاگ گیا تو کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔ اتنے بڑے امریکا میں۔" جاوید ہنسا
"ہاں... یہی تا خاص بات ہے تم میں وفاداری کے ساتھ ساتھ سمجھداری بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔"
طاہرہ اپنے شوہر کی تعریف کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتی اور اس ذرا سی تعریف سے اس وقت جاوید کا سیروں خون بڑھ گیا۔
دوسرے دن صبا کا فون آیا۔
"میرا ہزبینڈ ایک ہفتے کے لئے بنکاک جا رہا ہے۔ تم چاہو تو ہم خوب انجوائے کر سکتے ہیں۔ صبا نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔ بہت دنوں بعد میں نے گھر کو سجایا ہے تمہارے لئے۔"
"تم تو ایسے خوش ہو رہی ہو جیسے وہ ہمیشہ کے لئے بنکاک چلا گیا ہو؟" طاہرہ نے پوچھا۔

"چلا ہی جائے تو اچھا ہے۔" صبا نے کہا۔
"ویسے وہ بنکاک کس لئے جارہا ہے۔" طاہرہ نے پوچھا۔
"پیسے لٹانے اور کس لئے۔" صبا نے برجستہ کہا۔
"زیادہ دیر نہیں... البتہ تھوڑی دیر کے لئے آجاؤں گی۔ تمہارا دل رکھنے کے لئے۔ کیونکہ بھابھی اور ہنی صبح ہمارے پاس ہی ہوتی ہیں۔"
"تو انہیں بھی لے آؤ۔" صبا نے کہا۔
"نہیں ابھی بھابھی ریسٹ پر ہیں۔ ہنی ابھی ہماری دنیا میں نئی نئی آئی ہے نا۔"
"اوہ... اچھا... مبارک ہو۔ ویسے تم ضرور آنا۔ جب تمہارے ہزبینڈ آفس چلے جائیں تو۔"
"ضرور... ضرور... میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔"
وقت مقررہ پر طاہرہ صبا کے گھر باآسانی پہنچ گئی۔
پھر دونوں سہیلیاں بیٹھ کر یادوں کی پوٹلی کھولنے لگیں۔
کافی پینے کے ساتھ ساتھ صبا چند کاغذات بھی چیک کرتی جارہی تھی۔ طاہرہ بھی اس کا ساتھ دینے لگی۔ ایک گروپ فوٹو دیکھ کر طاہرہ حیرت زدہ رہ گئی۔ صبا کا ہزبینڈ تو تھا ہی اس فوٹو میں ساتھ ہی مریم بھی کھڑی تھی۔ اس کی سانس رکنے لگی۔ مریم کا اس شخص سے کیا تعلق ہے۔ بالآخر اس سے رہا نہ گیا اس نے پوچھ ہی لیا۔
"یہ کون ہے صبا؟"
"یہ... یہ پرسنل سیکریٹری ہے میرے ہزبینڈ کی۔ مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو۔" صبا نے سوال کیا۔
"میں سمجھی تم ہو..." طاہرہ نے بات چھپالی۔
پھر وہ صبا کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھ سکی۔ اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپسی کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
اس رات وہ بے حد بے چین رہی۔ یہ بات ایسی تھی کہ کسی سے شیئر بھی نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ مریم کا شوہر تو لاپتہ ہے پھر یہ کون ہے۔ یہاں اس تصویر میں؟" بھیا سے تذکرہ بے کار تھا۔ جاوید کو وہ اس خرابے میں ڈالنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ نورین کی اپنی معصوم سی زندگی تھی جس میں وہ قطعی ہلچل نہیں مچانا چاہتی تھی۔
"جانے مریم نے کس کس کے ساتھ کون کون سا گیم کھیلا ہے۔ اللہ بھیا کو اس کے شر سے محفوظ رکھے۔" آمین۔

* * *

"ساری قانونی کارروائی اور ڈاکومینٹیشن کی نگرانی آپ کریں گے بھیا۔ تاکہ میرے بزنس کے سارے معاملات ٹھیک ٹھاک ہوں اور بعد میں کوئی رخنہ اندازی نہ ہو۔ ہنی دیکھتے ہی دیکھتے بڑی ہوجائے گی اس کی کیئر بھی ہم اپنے ڈے کیئر سینٹر میں ہی کریں گے۔ سچ مزہ آئے گا سارا دن میں اور بھابھی ساتھ ساتھ رہیں گے۔" خوشی سے طاہرہ کے رخسار تمتمانے لگے۔
"ہاہاہا... (قہقہہ) نورین بھابھی کو تو سوائے شہزاد بھیا کے کوئی اور بھائی ہی نہیں دیتا۔" یہ جاوید تھا۔
"اور تمہیں؟" طاہرہ نے برجستہ پوچھا۔
"میں... میرا تو قبلہ وکعبہ ہی تم ہو۔" ہاں ذرا سنئے عرض ہے۔
میرا نقش آنکھوں میں اپنے سجایا
مری زندگی کو ہے تم نے سجایا
معطر معطر فضاؤں کے راہی
تیرا شکریہ مجھ کو جینا سکھایا
میری زندگی کی، وہ سیدھی گلی تم
جہاں چل کے خوشبو نے رستا بنایا

یہ میری دعا ہے یہی ہے، تمنا
رہے تم پہ میری محبت کا سایا
جو سپنے تمہارے ہوں، تعبیر میری
مجھے خواب غفلت سے کیسا جگایا

"واہ وا... کہاں سے ڈھونڈ نکالا ہے یہ گانا۔" طاہرہ نے تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔

"یہ گانا نہیں ہے غزل ہے محترمہ اور شاعر ہیں اپنے شہزاد ازل بھیا۔ انہوں نے کسی اور کے لئے لکھا تھا۔ مجھے سنایا تو یاد رہ گئے اشعار۔ جاوید نے نورین کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ کیوں بھابھی کیسی غزل تھی۔

* * *

"شوہر طلاق دے کر لاپتہ ہوگیا۔
بیوی بازیابی کے لئے احتجاج کرتی رہی۔"

اس دن سارے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی۔ خبر میں کوئی خاص بات نہیں تھی سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ جو تصویر لگی تھی اس نے شہزاد کو چونکنے پر مجبور کردیا۔ یہ وہ تصویر تھی جسے وہ ہزاروں کے مجمع میں بھی شناخت کرسکتا تھا۔ وہ مریم تھی۔

مریم کی آخری گفتگو اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ اس کے ذہن میں سوالات اٹھنے لگے۔

"مریم کو سب کچھ معلوم تھا یا اس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔

اس نے ایسا کیوں کیا؟ مریم سے بات کئے بغیر کچھ جاننا ممکن نہیں تھا۔

اسی طرح اس سے بات کرنے کی امید بھی نہ تھی۔

شہزاد نے اپنے لیگل ایڈوائزر کے ذریعے کراچی میں مریم سے رابطہ کیا۔ "کیا ایجنسی پر الزام لگانے اور کرب زبانی کی یداش میں گرفتار مریم کی رہائی کا سامان ہوسکتا ہے۔ شہزاد نے اسے پیغام بھجوایا کہ جیل سے رہائی اور زندگی کی طرف دوبارہ لوٹنا چاہتی ہو تو اصل راز سے پردہ اٹھا دو تاکہ تمہاری رہائی کے لئے کارروائی کی جاسکے۔

اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں کے مصداق مریم کے تو دل کی کلی کھل گئی۔ وہ تو خوشی سے پھول کر سب کچھ سچ سچ اگلنے پر تیار ہوگئی۔ تب اس نے اپنا درست بیان ریکارڈ کروایا۔

کہ "جب اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی اور چھوڑ کر چلا گیا تو اس نے اپنی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے خاص طور پر اپنے دیرینہ دوستوں اور رشتہ داروں کی تلاش میں مسنگ پرسن کی فہرست میں اپنے شوہر سلمان کا نام شامل کروا کر احتجاج میں شرکت کرنا شروع کیا۔ اسی طرح اس نے پروفیسر شہزاد تک رسائی حاصل کی اور اس کے دل میں ہمدردی پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی کیونکہ پروفیسر ایک ثابت قدم اور بلند کردار شخصیت کے حامل انسان تھے۔ جنہوں نے ہمیشہ کی طرح اس معاملے میں بھی اپنا اخلاق و کردار بلند رکھا۔

مریم نے وکیل کے سامنے یہ بھی اعتراف کیا کہ اس نے آخری ملاقات میں جو کہانی شہزاد کو کار میں بیٹھ کر سنائی تھی وہ سب سچ تھا۔ اس کے ساتھ وہ سب کچھ ہوا تھا۔ مگر یہ بھی غلط نہیں ہے کہ اس نے سلمان سے صرف دولت دیکھ کر شادی کرلی تھی۔ یقیناً میں نے پروفیسر شہزاد کے جذبات کا خون کیا اور ان سے منگنی ختم کرکے انہیں اکیلے بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ پھر کبھی ان سے رابطہ نہیں رکھا۔ لیکن جب سلمان پروفیسر کا نام لے لے کر طنز کیا کرتا اور مجھے بے وفا، ہرجائی کہا کرتا تب میرا دل چیخ چیخ کر شہزاد کو آواز دیتا تھا۔ یہ تو مجھے بہت بعد میں اس وقت معلوم ہوا کہ وہ اپنی دنیا میں بہت خوش ہیں۔ جب یہ بات انہوں نے اپنی زبان سے مجھے خود بتائی۔ تب میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے ان کا تعاقب چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ وہ جن معطر سوچوں کے ہم رکاب ہیں میں... اس فضا میں پرواز کے بھی قابل نہیں ہوں۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ تمہارا شوہر کبھی تمہاری طرف لوٹے گا؟ وکیل کے استفسار پر اس نے کہا۔ "نہیں... وہ اب کبھی نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس کی فطرت

بھونرا جیسی ہے۔"

"تم آخری بار بتادو کہ شہزاد سے تمہیں اب کیا چاہیے؟" وکیل نے پھر سوال کیا۔ تم نے انہیں ہمیشہ بہت ڈسٹرب کیا ہے۔"

"اس کڑے وقت میں انہوں نے اپنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے ان سے کچھ نہیں چاہیے... میں بہت شرمسار ہوں اور ان سے معذرت کی خواہاں ہوں۔"

"اگر وہ تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہیں تو؟" وکیل نے اس کے دل کو ٹٹولنا چاہا۔

"نہیں... میں اس قابل ہرگز نہیں ہوں۔ میرا نام ہرجائیوں کی فہرست میں تحریر کیا جاچکا ہے اور وہ... ان لوگوں میں سے ہیں جو صحیح معنوں میں زمین میں خدا کا نائب ہوتے ہیں۔

میں ان کے کاروانِ زیست کے راستے کا کانٹا بن کر نہیں بھونکنا چاہتی۔"

وہ واقعی اعلیٰ انسان ہیں محبت میں گندھے ہوئے۔ محبت سے بندھے ہوئے۔ محبت کے اسیر... اور میں ... بہت اسفل... بہت ہی۔"

"ہوں... چند دنوں بعد جب تمہیں رہائی ملے گی۔ تب تم کیا کروگی۔" وکیل کے پوچھنے پر اس نے برجستہ جواب دیا۔

"اپنے دونوں بچوں کو ان جیسا بنانے کی کوشش کرونگی۔ اور میری زندگی میں ہے ہی کیا؟... انہوں نے ایک سطحی ذہن رکھنے والی اس ہرجائی عورت کے لئے، جو ان کے جذبات سے کھیلتی رہی، جو کچھ کیا۔ اسے ان کی وفا کا صدقہ سمجھ کر تہہ دلسے قبول کروں گی۔"

وکیل نے اس کی باتوں کی گہرائی ناپنے کے لئے اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھا۔ چھپانے کی ناکام کوشش کے باوجود، دو موٹے آنسو اس کی غزالی آنکھوں سے نکل کر رخسار پر بہہ گئے۔ واقعی جہاں زبان رک جائے وہاں آنکھیں بولتی ہیں۔

* * *

اُدھر فون کال کی بار بار ریپیٹنگ نے گھر کی فضا میں ایک بار پھر مریم کا تذکرہ چھیڑ رکھا تھا۔ سارے حالات وواقعات سے سبھی کو آگاہی ہوچکی تھی۔ طاہرہ سب سے زیادہ مضطرب تھی۔ اسے اپنے بھائی بھابھی کی فکر تھی۔ بڑے غور وخوض کے بعد اس نے شہزاد کو صبا اور اس کے شوہر سلمان کے بارے میں جو کچھ جانتی تھی سب بتادیا۔ شہزاد نے کہا۔

"صبا کا قصہ الگ ہے اُسے علیحدہ ہی رہنے دو۔ ابھی مریم کے لئے سوچو۔"

"نہیں بھیا۔ مریم کے لئے کچھ نہیں سوچنا ہے۔ اسے اس کے حال پر ہی چھوڑ دیں۔ اس نے میری دوستی کی آڑ میں میرے بھائی کے جذبات کا مذاق اڑایا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ برا کیا ہے۔ میں اُسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔" اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

شب طویل کا جانے کون سا پہر تھا کہ شہزاد کو پیاس محسوس ہوئی... اس نے دیکھا کہ نورین بستر پر بیٹھی پاؤں کے ناخن کرید رہی ہے۔ وہ اتنی گہری سوچ میں گم تھی کہ اسے شہزاد کے جاگنے کا احساس ہی نہ ہوا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" شہزاد نے لیمپ آن کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں۔" جواب مختصر تھا۔

"وہ... آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟"

"کیسا؟" وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"مریم کو اپنی زندگی میں شامل کرلیں۔ اب وہ اکیلی ہے۔" نورین نے یہ کہتے ہوئے شہزاد کا بازو تھامے رکھا۔

"کیسے شامل کرلوں، زندگی میں، جبکہ وہ میری زیست کا حصہ ہی نہیں ہے۔"

"کبھی تو تھی۔" نورین نے جیسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"دلوں کو جوڑنے والے نے میرا دل اس کی طرف سے پھیر دیا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے شہزاد نے اُسے اپنے بازوؤں میں ایسے سمیٹا جیسے اب کبھی خود سے جدا نہیں ہونے دینا ہے۔ نورین کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ خود کو معطر وپرکیف فضا میں پرواز کرتا ہوا محسوس کرنے لگی۔

* * *

"سنو... کیا ہم اب ہمیشہ یہاں امریکا میں ہی رہیں گے۔" نورین نے چائے میں چینی ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"تم چاہو تو رہ سکتی ہو۔"

"نہیں... میں تو وہاں جاؤں گی جہاں کے لوگوں کو میری ضرورت ہے۔ کیا تم بھول گئے ہو۔ ہمارا ہنی مون پیکیج۔" وہ چائے پیش کرتی ہوئی مسکرائی۔

"نہیں... کیسے بھول سکتا ہوں۔" اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے وہ سارے لوگ یاد آتے ہیں۔" ان کے درمیان رہنا ہے مجھے تاکہ جب چاہوں۔ جس سے چاہوں مل سکوں۔ کتنے ترسے ہوئے، پیاسے اور تنہا لوگ ہیں۔"

"ہوں۔" شہزاد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے چلو ہوگیا فیصلہ ہم واپس وطن لوٹ جائیں گے۔"

"ہاں... زندگی تو بامقصد گزرے گی۔ محبتیں بانٹتے ہوئے۔ ہم نے ان لوگوں سے کئی وعدے بھی کئے تھے۔ انہیں بھی نبھانا ہے۔ شہزاد نے ٹیبل پر رکھا رائٹنگ پیڈ اٹھایا اور جیب سے قلم نکال کر تحریر کرنا شروع کیا۔

زندگی سے کیا ہوا وعدہ

عمر بیتے گی اب نبھانے میں

چاہے کچھ بھی نہ ہو حصول مجھے
روح کی یہ تھکن مٹانے میں
آؤآؤکہ زندگی بانٹیں،
اس محبت کے آسمانے میں
ایک میں ایک تم محبت سے
خوب گزرے کی آشیانے میں

......*

دو سال چٹکی بجاتے میں گزر گئے۔ شہزاد نے اسپیشلائزیشن مکمل کرلی۔ اب اس سرزمین کی طرف کوچ کا ارادہ ہے جہاں مسائل کے انبار موجود ہونے کے باوجود "وطن کی محبت" آڑے آجاتی ہے۔
طاہرہ نے بہت روکنے کی کوشش کی مگر شہزاد کا اپنا فلسفہ تھا۔
اس نے کہا۔ "تم بھی واپس چلو۔" میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ مجھے جاوید کے بارے میں بھی سوچنا پڑتا ہے۔ یہاں لوگ جینے کے لئے مصروف رہتے ہیں اور اپنے کام سے غرض رکھتے ہیں۔ وہاں کے سماج میں دوسروں کی زندگی پر نظر رکھ کر اور مداخلت کرکے زندہ رہتے ہیں۔ وہاں ولولہ انگیز نوجوانوں کو سیاسی جماعتیں استعمال کرکے دربدر پھرنے کے لئے چھوڑ دیتی ہیں۔ یہاں وہی جذبہ وہی ولولہ آدمی کی زندگی بنادیتا ہے۔ وہاں جاکر جاوید کے خلاف نہ جانے کون کون سے کیسز کھول دیئے جائیں لہذا میں تو یہیں سکون سے ہوں۔ میرے محبت کے آشیانے میں الفت کا پرندہ بیٹھ چکا ہے۔ میں اسے اڑانا نہیں چاہتی۔ میرا بزنس بھی یہاں اچھا چل رہا ہے۔ جہاں معاشی اور سماجی استحکام نہ ہو وہاں کیسا کاروبار اور کونسی مستحکم معیشت... وہاں خواب دیکھ سکتے ہیں یہاں انہی خوابوں کی تعبیر کے سو مواقع ہیں۔" طاہرہ بولتی ہوئی رکی تو شہزاد نے کہا۔ تمہاری باتیں اپنی جگہ درست ہیں... لیکن میرے ہاتھوں میں تعلیمی ادارے ہوں گے میں نوجوان نسل کی ذہن سازی کرسکتا ہوں۔ میں محبت کی مضبوط بنیادوں کے سہارے، ذہنوں کی تبدیلی کے ذریعے معاشرے میں انقلاب دیکھ رہا ہوں۔ بغیر کوئی طوفان اٹھائے سماج کو خاموشی سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ کس کو اپنے مسائل کا حل نہیں چاہیے۔ کون اچھی زندگی کا خواب نہیں دیکھتا۔"
"لیکن بھیا... وہانکسی کو کام نہیں کرنے دیا جاتا۔ ٹرانسفر کرکے دور دراز علاقوں میں بھیج کر سزا دی جاتی ہے... آپ یہ باتیں جانتے ہیں۔ وہاں تو لڑکیوں کو محبتوں کی سزا دی جاتی ہے زندہ جلایا جاتا ہے۔ کوئی روکتا بھی نہیں۔ سبھی تماشائی بنے رہتے ہیں۔"
"جبھی تو میں کہہ رہا ہوں مولوی، مبلغ سب ناکام ہوچکے ہیں۔ اساتذہ کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی ہوگی۔ کتابوں میں موجود نصاب سے ہٹ کر زندگی کے الفت کے فلسفے کو سمجھنا ہوگا۔ میں، میرا، مجھے کے دائرے سے نکل کر ہم، ہمارا، ہمیں کی سیڑھی چڑھنا ہوگا۔"
نورین سبزی کاٹتی ہوئی ان کی باتیں بغور سن رہی تھی۔ شہزاد سمجھ گیا کہ اس کے ذہن میں اس وقت کئی سوچیں چل رہی ہیں۔ اس نے کہا۔ "مجھے ذہنی طور پر جتنا سکون اور اطمینان اپنی خانگی زندگی میں حاصل ہے وہ مجھے نئی نسل کے لئے کچھ سوچنے اور کرنے پر مجبور کررہا ہے۔" نورین بولی۔ "مجھے تو کسی مجذوب کی طرح رہنا ہی اچھا لگتا ہے۔ میں کوئی فکر و تردد نہیں پالنا چاہتی تاکہ بچی کو فیڈ کراتے وقت اپنی ٹینشن میں منتقل نہ ہوسکے۔
شہزاد... مجھے یہ کیسے یقین آئے گا کہ تمہاری زندگی میں، میں واحد ہوں۔ تمہارا دل اس عورت کے بارے میں کبھی نہیں سوچے گا۔ جو کبھی تمہاری زندگی میں شامل رہی ہے اور اب ایسی صورت حال ہے کہ وہ تباہ حال بھی ہے؟"
"ارے... یار نورین... ایسی احمقانہ سوچوں کو تم اپنے قریب بھی نہ بھٹکنے دو کہ وہ تمہارے ذریعے مجھ پر بھی حملہ آور ہوں۔ اگر پھر بھی تمہارے دل کے نہاں خانوں میں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہے تو اس کا مطلب ہے تمہارے اندر شک جنم لے رہا ہے... اس نے چائے کا دوسرا سپ لیتے ہوئے کہا، چلو میں سے تمہاری محبت کی گہرائی سمجھوں گا... امریکا سے پاکستان واپسی کا فیصلہ تم نے کیا ہے۔ میں نے نہیں۔ ویسے بھی میرے پاس اب اتنی فرصت

کہاں۔"

"کبھی کبھی سوچیں مضطرب کردیتی ہیں نا..." نورین نے کہا۔

"میرے لئے تو تم ایک پھول کی طرح ہو جس کی خوشبو سے میرا دل و دماغ ہر قت معطر رہتا ہے۔ یہی خوشبو ہے جو مجھے مزید کچھ کرنے کا جذبہ عطا کرتی ہے... اسی لئے کہتا ہوں کہ شادی، شوہر، گھر، بچے یہ عورت کی زندگی کا مقصد نہیں ہونا چاہیے۔ میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ دنیا کو اپنے ہونے کا ثبوت دو۔ تمہارے قدم مضبوط ہیں۔ تم کمزور عورتوں کی زندگی کو قوی بنانے کا سوچو۔"

"جبھی تو مریم کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" اس نے ہنی کے کپڑے تہہ کرتے ہوئے کہا۔

"اسے چھوڑو۔ وہ سڑک پر احتجاج کر سکتی ہے تو اپنی زندگی سنوارنے کا حوصلہ بھی اس کے پاس موجود ہوگا۔"

شہزاد نے رومانٹک انداز میں کہا۔

"تم پھول ہو، میری زندگی میں مسکرانے والا پھول۔ اس پھول کی مہک کو پھیلنے دو۔ جہاں تک جائے گی خوشبو وہاں تک ماحول شک بار ہوجائے گا۔ وہاں تک تمہاری طاقت پھیلے گی، اپنے پر پھیلائے گی۔ وہ طاقت جو تم نے مجھے عطا کی ہے۔ جو صرف عطائے ربی ہوتی ہے۔"

"تم نے مجھے سمجھا ہے شہزاد۔ ہر شخص تمہاری جیسی سوجھ بوجھ والا تو نہیں ہوتا نا... اب یہ دیکھ لیں مریم والے سوال پر آپ کسی عام آدمی کی طرح مجھے "شکی عورت" کہہ سکتے تھے۔ چونکہ آپ "خاص آدمی" ہیں۔ لہذا "عام آدمی" والی کوئی بات کی ہی نہیں۔"

"یہ جو میری خوبیاں تم گنوا رہی ہو نا... یہ سارا ہنر بھی تمہاری قربت کی بناء پر ہی ہے۔ عزت، محبت، وفا، جذبوں کی سچائی، گہرائی جس دل میں ہو وہ دل ہمیشہ آباد رہتا ہے۔ جس گھر میں ہو، وہ گھر سلامت رہتا ہے۔ جس سماج میں ہو وہ سماج مضبوط رہتا ہے۔

پہلی محبتوں کو اگر بھلایا نہ جاسکے تو انہیں سوہانِ روح بھی نہیں بننے دینا چاہیے۔ کیونکہ پہلی محبت ہمیشہ، بے لوث، پر خلوص، سادہ ہوتی ہے... یہ اگر ادھوری ہوں تو بلاشبہ آدمی تڑپ کر رہ جاتا ہے۔ مگر یہی تڑپ اسے زندگی میں آگے بڑھنے کی راہ سجھاتی ہے۔ حوصلہ دیتی ہے کچھ توقف کے بعد شہزاد نے کہا... ایک نکاح کر کے لوگ عورتوں کی زندگی کریدنے لگتے ہیں۔ جیسے عورت نہ ہو کوئی بجھی ہوئی راکھ ہو۔ خود چاہے کچھ بھی کر چکے ہوں۔ اور کتنے ہی میلے ہوں۔ عورت ان کو دھلی دھلائی چاہیے۔

جس طرح گھر محبتوں سے بنتے ہیں نا اسی طرح معاشرہ بھی محبت سے بنتا ہے۔ جیتا جاگتا ہے اور پروان چڑھتا ہے۔ معاشرے میں محبت کرنے والی روحوں کی موجودگی ضروری ہے۔ ان کے جذبے کا پھیلاؤ ہر سمت ہوتا ہے۔

ابھی تو میں شاکر کے قتل کا کھاتہ بھی کھولوں گا۔ درس گاہوں میں کیوں خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے۔ نئی نسل کے نمائندے کیوں لہو میں ڈوب جاتے ہیں۔ نہ جانے پہلی محبتوں کے کتنے اسیر ہوں جو تمہاری طرح تڑپے ہوں۔ نیم دیوانگی کے عالم میں۔" بولتے بولتے اس نے گہری سانس لی اور لمحے بھر کو توقف کیا... اسی لمحے ہنی کے رونے کی آواز آئی تو انہوں نے اپنے ڈسکشن کو ختم کیا۔ شہزاد شاور لینے کے لئے واش روم میں گھس گئے اور نورین نے ہنی کو فیڈ کرانا شروع کر دیا۔

* * *

شام کو اسکائپ پر طاہرہ سے بات ہوئی... اس کا کہنا تھا کہ جاوید کے دماغ میں وہی کیڑا پھر کاٹنے لگا ہے۔ کہتا ہے زندگی میں کوئی "تھرل" نہیں ہے اور تھرل کے لئے اسے اپنی پارٹی یاد آرہی ہے۔ کہتا ہے کیا فائدہ ایسی زندگی کا جب چار لوگ بھی نہ جانیں پہچانیں... میں نے تو بہت سمجھایا کہ یہاں امریکن کمپنی میں تمہاری اپنی شناخت ہے۔ بڑے بڑے لکھ پتی امریکن تمہیں تمہارے کام سے جانتے پہچانتے ہیں... مگر کہاں جناب انہیں تو مسٹر تھامسن، الفریڈ، ایس ایڈگر کے بجائے منا ملتانی، سلیم گنڈا، افضل بھیا کی یاد ستانے لگتی ہے۔ ایسے تو روزانہ کی بیٹھک چاہیے۔ اوطاق چوپال جیسی... جہاں سب بیٹھ کر اپنی اپنی ہانکتے رہیں۔"

شہزاد نے کہا: اسے ہر لمحے اپنے ساتھ ساتھ رکھو۔ ذرا چھوڑو گی تو وہ اِدھر اُدھر کی سوچے گا۔ اُسے تم ہی قابو میں رکھ سکتی ہو اور وہ تمہاری ہی بات سمجھے گا۔"

"ہاں سنو طاہرہ... روزانہ شام پارک ضرور جایا کرو... وہاں بیٹھ کر اچھے لمحوں کی یادیں تازہ کیا کرو۔ مستقبل کی باتیں کیا کرو۔ اس کی اچھائیاں تلاش کرو اسے بتاؤ۔ اس کی تعریف کیا کرو... اور سنو... ڈانٹنا ہرگز نہیں۔" نورین کی ڈانٹ والی بات پر سب کا مشترکہ قہقہہ ابھرا۔

شہزاد نے مزید مشورہ دیا۔ "اسے دنیا کی خوب صورتی دکھاؤ اسے کہو کہ خوب محنت کرے۔ اپنی کمپنی بنائے اپنے بھانجے، بھتیجے کو بھی وہیں بلا لے۔ اس طرح اس کا ذہن ایک نکتے پر مرکوز ہوگا۔ اس کے خان کے ذہین بچوں کے بارے میں بات کرو۔ ان کی تعلیم روزگار کے لئے مشاورت کرو۔ اس طرح جاوید اور

اس کا خاندان دونوں تم سے خوش ہوں۔ یوں وہ "پھنے خان" بننے کا خیال دل سے نکال دے گا۔"
"جی... اچھا بھیا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" شہزاد کا مشورہ طاہرہ کے دل کو لگا۔
"ہاں سنو... کوئی بھی کام کرنے سے قبل غور و خوض اور قانونی مشاورت ضروری ہے۔" شہزاد نے مشورہ دیا۔
"جی بھیا... بہت شکریہ۔ آپ کی بات مجھے پسند آئی۔ آج ہی سے اس کے ذہن میں ساری باتیں ڈالوں گی۔"
"تم ہمت نہ ہارنا طاہرہ... ہم ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں۔ ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں تم ویسے بھی بہت باحوصلہ ہو۔" نورین نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔
"شکریہ بھابھی... کبھی کبھی بہت تھکن ہوجاتی ہے تب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔" طاہرہ بولی۔
"اچھا کرتی ہو تم بتاتی ہو... مشورہ کرتی ہو۔ چار ذہن مل کر سوچیں تو مسئلے کا حل نکل ہی آتا ہے۔" نورین بولی۔
"ہم لوگ محبت کے راستوں کے مسافر ہیں ہمارا راستہ مشکل تو ہوسکتا ہے مگر بے اعتناء نہیں ہوسکتا۔ اُسے بھی بتاؤ۔ باقی تم خود سمجھ دار ہو۔" نورین نے جو کچھ کہا طاہرہ کو درست لگا۔ اس نے اس پر فوری عمل درآمد بھی کیا۔ رات سونے سے قبل اس نے خوب کھل کر بات چیت کی۔ پرانی یادیں، باتیں، لمحے جاوید کو یاد دلاتی رہی۔ پہلی ملاقاتوں کی کہانی شروع ہوئی تو تان اس کے خاندان پر آکر ٹوٹی۔ بھائیوں، بہنوں، بہنوئیوں، بھانجوں، بھتیجوں کا ذکر خیر ہوا۔ طاہرہ نے کہا۔ "ذہین بچوں کو میں پڑھنے کے لئے یہاں بلاؤں گی۔" جاوید اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔ بولا۔ "ارے ان کے بارے میں ایسا میں نے تو سوچا بھی نہیں۔
"تم تو خود وہاں جاکر اپنے اور ان سب کے لئے مصیبت کے در کھولنے کے لئے تیار بیٹھے ہو۔ چلو آج سے پلاننگ شروع کردو۔ میں بات کروں گی دیکھیں پہلے کون آتا ہے۔ خاندان بڑا ہے پلان بھی سوچ کر بنانا ہوگا۔ یونہی باتوں کے باغیچے میں گھومتے گھومتے نیند کی پری ان پر مہربان ہوگئی۔

* * *

صبح آنکھ کھل جانے کے باوجود جاوید بستر پر ہی پڑا تھا۔
"طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"
"ہاں۔"
"پھر ایسے کیوں پڑے ہو۔"
"رات بھائی جان کو خواب میں دیکھا وہ بہت پریشان تھے۔" جاوید نے کہا۔
"تم کسی سے رابطہ نہ کرنا میں خود معلوم کرتی ہوں۔ بھیا سے کہتی ہوں وہ خیریت معلوم کرکے بتادیں گے۔" یہ کہتے ہوئے طاہرہ نے فوراً فون ملایا۔
دوسری طرف شہزاد نے ہی فون ریسیو کیا۔
"ہیلو بھیا! جاوید نے رات پریشان کن خواب دیکھا ہے۔ آپ ذرا ان کے بڑے بھائی سے رابطہ تو کریں۔ وہاں سب خیریت ہے نا۔"
"اُسے تم کچھ نہ بتانا مگر وہاں خیریت نہیں ہے۔ ان کے گھر رات ہی چھاپہ پڑا ہے۔ دو چار نئے کیس کھلے ہیں، "جاوید کو" صاحب کے خلاف۔ تمہیں بتانا ضروری تھا لہٰذا بتادیا۔ اسے سختی سے منع کرنا وہ یہاں کسی کو فون نہ کرے۔ کسی حال میں بھی نہیں۔ میں سارے معاملات دیکھ لوں گا۔"
"اوکے بھیا۔ اللہ حافظ۔" نورین نے فون بند کردیا۔ اور اپنے آپ کو سنبھالنے لگی۔
"سنو جاوید! بھیا سے میری بات ہوئی ہے۔ وہ تمہارے بڑے بھائی سے مسلسل رابطے میں رہتے ہیں۔ وہاں سب خیریت ہے تم بے فکر رہو۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم چاہو تو تمہارے بھائی بہنوں کی خیریت میں وہاں جاکر خود بھی معلوم کرسکتی ہوں۔" طاہرہ نے اسے تسلی دی۔
"میرے وہاں سے غائب ہوجانے کی وجہ سے بھائی جان کو کوئی مسئلہ درپیش نہ ہو کہیں۔" جاوید نے پرتشویش لہجے میں کہا۔
"دو سال ہوچکے ہیں تمہیں یہاں سیٹ ہوئے۔ تمہیں اب ایسے خواب کیوں آرہے ہیں۔ تمہارا دل چاہ رہا ہوگا وہاں جانے کا۔" طاہرہ نے مزید کہا۔
حالات کی نزاکت تم سمجھتے نہیں جاوید۔ میری محبت تم پر اثر انداز نہ ہوسکی جانے کہاں کیا کمی رہ گئی۔ کہ تم اپنی سیاسی کارکنوں کی دنیا میں جانے کے لئے تڑپ رہے ہو۔" نورین نے اداسی سے کہا۔
"مجھے تو تم پر بڑا مان ہے۔ میں تو چلو اپنی محبت کا رونا رو رہی ہوں مگر تمہیں اپنے اکلوتے بیٹے کا بھی خیال نہیں ہے۔"

"نہیں... ایسا نہیں ہے۔" جاوید نے جھٹ جواب دیا۔
"ایسا ہی ہے... تم مجھے اب جھٹلا نہیں سکتے۔" نورین نے کہا۔
"جو دوسرے کارکن پھنسے ہوئے ہیں نا اپنی اپنی پارٹیوں کے چکر میں۔ وہ وہاں سے نکلنے کے خواب ہی دیکھتے ہوں گے۔ مگر نہیں نکل سکتے۔ تمہاری قسمت اچھی تھی کہ نکل گئے مگر لگتا ہے دوبارہ پھنسنے کا شوق ہے تمہیں... کتنی مشکلوں سے ہم یہاں پہنچے ہیں۔ وہ تو بھیا تھے کہ سارے کام ہو گئے۔ ایگزسٹ کنٹرول لسٹ میں تمہارا نام شامل تھا وہاں... سمجھے۔" طاہرہ نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔
"اچھا بابا... میں کون سا چلا جا رہا ہوں۔ صرف بات ہی تو کی ہے۔"
اس نے جیسے زچ ہو کر کہا اور بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف جانے لگا۔ پیچھے سے طاہرہ نے آواز دی کبھی مجھے بھی ساتھ لے لیا کرو۔ دونوں باپ بیٹا ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے نکل پڑتے ہو۔ گھومنے پھرنے۔"
آئیں ممی... آپ بھی آجائیں۔ آج آپ بھی ہمارے ساتھ واک کریں۔"
مہران نے اپنی ماں کو ساتھ چلنے کی دعوت دیتے ہوئے۔ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ نورین تو جیسے تیار کھڑی تھی اسی حال میں گھر لاک کر کے روانہ ہو گئی۔ پارک پہنچ کر مہران کھیلنے لگا۔ وہ دونوں بنچ پر بیٹھ گئے۔
"سبحان اللہ۔" نورین نے رنگ برنگے مسکراتے ہوئے پھولوں کی طرف دیکھ کر کہا۔
"تمہیں یاد ہے شادی سے پہلے تم مجھے اکثر پارک میں ہی ملتے تھے۔ ہم دونوں کتنی دیر تک باتیں کرتے رہتے تھے۔"
"ہاں اب وہی تمام باتیں گھر میں بیٹھ کر کر لیتے ہیں۔" جاوید بولا۔
"تم تو لگتا ہے سب بھول گئے ہو۔" نورین نے شکوہ کیا۔
"گھر کی مرغی دال برابر۔" جاوید نے قہقہہ لگایا۔
"چلو ہٹو... اب میں تمہیں مرغی لگنے لگی ہوں۔" طاہرہ نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔
"تم مرغی ہو تو میں بھی مرغا ہوا نا۔" وہ دوبارہ ہنسا۔
"میرا تو یہ خیال ہے کہ جو شے دور ہو، اور اسے حاصل کرنے کی آرزو ہو۔ پھر وہ مل جائے تو اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ جدوجہد کے بعد اسے حاصل کیا گیا ہوتا ہے نا۔ میرے لئے تو تم عام شوہروں کی طرح نہیں ہو بلکہ بہت اہم بہت خاص ہو... بھیا کی شمولیت نہ ہوتی تو تم مجھے مل بھی نہیں سکتے تھے۔"
نورین کا لہجہ اداس تھا۔
"مل گیا نا... اب رونے کی کیا ضرورت ہے۔" جاوید نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔"
"اوہو... تو یہ خوشی کے آنسو ہیں۔" جاوید کے کہنے پر وہ ہنس پڑی۔
مہران دوڑتا ہوا آیا اور درمیان میں بیٹھ گیا۔ جاوید نے کہا۔ ابھی اور کھیلو یہاں لو اسٹوری کی ایک اور قسط شروع ہونے والی ہے۔ اور تم بیچ میں آ کر بیٹھ گئے پھر دونوں مل کر ہنسنے لگے۔ ماں باپ کو ہنستا دیکھ کر مہران بھی ہنس پڑا۔
"تم کس بات پر ہنس رہے ہو۔" جاوید نے بیٹے سے پوچھا۔
وہ بولا۔ ممی پپا ہنس رہے ہیں تو میں بھی خوش ہو رہا ہوں۔" وہ تالیاں بجانے لگا۔

* * *

اس دن چھٹی تھی۔ جاوید صبح صبح میز پر اخبارات پھیلائے ان پر جھکا ہوا تھا۔ طاہرہ نے پوچھا۔ "خیر تو ہے۔ اخبار میں آنکھیں گھسائے بیٹھے ہو۔ کیا ڈھونڈ رہے ہو... کراچی کے حالات ؟!... اس میں نہیں ہوگی تفصیل... پاکستان چینل لگا کر دیکھ لیا کرو۔" اپنے سوالوں کے جواب بھی وہ خود ہی دیتی گئی۔

"اخبارات کی بات اور ہوتی ہے۔ کراچی کے حالات تو اب بہتر ہیں۔ بھائی جان سے مل آؤں؟ انہیں بغیر بتائے آیا تھا۔"

"انہیں یہاں بلالو... تم نہ جاؤ... پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ تم وہاں گئے تو خدانخواستہ ضائع ہوجاؤ گے۔" طاہرہ نے اپنے اندرونی خدشے کو ظاہر کر ہی دیا۔

"شہزاد بھائی تو آخر چلے ہی گئے نا۔" جاوید نے کہا۔

"ان پر وہ الزامات تھوڑی تھے جو تم پر ہیں اور انہیں وہاں سے جاب آفر آئی تھی۔" طاہرہ بولی۔

"مجھے بھی جاب مل جائے گی۔" جاوید بولا۔

"تم وہاں جاکر کیا کروگے۔ ظاہر ہے کوئی اپنا بزنس کرنا پڑے گا اور جو کماؤ گے "بھتہ" دینے میں ہی خرچ ہوجائے گا۔ کراچی کے چھوٹے بڑے سارے بزنس مینوں کا یہی حال ہے۔" طاہرہ دکھ کے ساتھ بولی۔ "اپنے خاندان کا خیال کرو۔ میرا نہیں تو اپنی بہنوں اور بھائیوں کے بارے میں سوچوں۔ ہر کوئی خوش حال تو نہیں ہے نا۔ ان کے بچوں کی تعلیم اور روزگار کے لئے پلان بناؤ۔ انہیں یہاں بلاؤ۔ خود نہ جاؤ۔" طاہرہ نے پہلے والا مشورہ دہرایا۔

"میں نے تمہیں ہر بار سمیٹا ہے۔ مگر اب تم نے یہاں سے واپس اسی نامنصفانہ ماحول میں جانے کی کوشش کی تو لگتا ہے میری ہمت جواب دے جائے گی۔ کبھی کبھی... میں تمہاری طرف سے کمزور پڑنے لگتی ہوں۔ ایسا کیوں ہے جاوید؟"

"ارے پریشان کیوں ہوتی ہو... میں تمہارے پاس ہی تو بیٹھا ہوں... دو کرسیوں کے فاصلے پر... یہ لو اور قریب آگیا... وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر طاہرہ کے برابر آبیٹھا۔" وہ مسکرائی... یہ لو کھاؤ... اس نے قریب رکھا چنے اور کشمش کا جار اس کی جانب بڑھایا... جاوید نے اس کے شانے پر اپنے ہاتھ رکھے اور اس کے تپتے ہوئے رخسار کو اپنے لبوں سے مزید تابناکی عطا کردی۔

"یہی تو اچھی بات ہے تم میں بات کو سنبھال کر ماحول فوراً بدل دیتے ہو۔

طاہرہ نے اس کے ہاتھ بے ساختگی سے چوم لئے۔

"بات ہاتھوں سے نہیں یہاں سے سنبھالی جاتی ہے۔ اس نے اپنے ہونٹوں کی طرف اشارہ کیا۔"

"چلو ہٹو... شرپر کہیں کے... ابھی مہران آجائے گا۔" طاہرہ جھینپ کر بولی اور اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں، لب و رخسار بے قرار جذبوں کے ساتھ تبسم ریز تھے۔ وہ سمٹتی ہوئی اس کے اور قریب ہوگئی اس کے ہاتھ زلفِ پریشان کو سنوارنے لگے۔ دوسرا ہاتھ طاہرہ نے تھاما ہوا تھا...

"محبت کو تجدید کی ضرورت رہتی ہے طاہرہ۔" اس نے دھیمے دھیمے سروں میں جیسے کوئی گیت گنگنایا ہو۔

"ہاں... یہ بہت ضروری ہے۔ اس طرح محبت فرحت انگیز ہوجاتی ہے۔" طاہرہ کے لب ہلے تو جاوید نے اس پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ وہ دیر تک اسی طرح بیٹھے رہے۔ اور ایک دوسرے کی سانسوں کی گنگناہٹ کو سنتے اور لطف اندوز ہوتے رہے۔

"آؤ... چلیں... اپنے خواب نگر میں۔" جاوید کی سانسیں بول رہی تھیں۔ بھلا وہ کیسے اپنے محبوب شریک حیات کی پیشکش کو ٹال سکتی تھی۔ خواب نگر، ان کا وہ کمرہ جس میں وہ جب بھی داخل ہوتے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجایا کرتے۔ وہاں کی دیواریں ہر شب عشق و محبت کی ایک نئی داستان رقم ہوتی دیکھتی۔ شب کی ان ہی مسرتوں کے حصار میں ان کے دن گزرتے جاتے۔

* * *

"سنو جاوید... سیاسی کارکنوں کی تاریخ وفاداری سے بھری ہوتی ہے۔ پورے پورے خاندان نے خود کو اپنی پارٹی لیڈروں پر تج دیا ہے مگر اب دنیا کی، اقدار کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس معاملے میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ اب ویسے لیڈر ہے ہی کہاں جس پر جان نثار کی جائے۔ اب لیڈروں کو وفا کا نہیں جان کا خراج چاہیے ہوتا ہے۔ کام نکالتے ہیں اور راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔ معصوم کارکنوں کے جذبات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے خاندان کو سسکنے کے لئے چورا ہے پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ان سارے نقشے کو تبدیل کرنا پڑے گا اور اس تبدیلی کے لئے انفرادی طور پر جدوجہد کا راستہ اپنانا ہوگا۔ تبھی ہمیں اپنی ذاتی زندگیوں میں تبدیلی لانی ہوگی۔ تم میری بات پر غور کرو... اور سمجھو۔"

مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے تم نے سوچا ہو کہ تم سے شادی کے بعد بھی اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تمہارے ساتھ سیاسی جماعت کی کارکن بن جاؤں گی۔ جس کی آفر تمہاری پارٹی بھی مجھے کر چکی ہے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا، ارے پاکستان تو بن چکا۔ یہ اجتماعی کوشش تھی۔ اب اسے سنبھالو، چلاؤ، ترقی دو۔ اور اس کے لئے انفرادی کوششوں کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے آس پڑوس محلے، علاقے شہر کافی ہے۔ ان میں اپنی خدمات چمکاؤ۔ تب جانیں اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے لئے دیگر بہت سے کام ہیں۔ اور بہت طریقے ہیں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے مجھے دیکھو پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر ذاتی بزنس کر رہی ہوں۔ بصورت دیگر بھیا کی طرح میں بھی نسل نو کی آبیاری کرتی۔"

وہ بیٹھا سنتا رہا۔ مسکراتا رہا۔ کہ وہ یہی کر سکتا تھا۔ طاہرہ بولی... معاف کرنا جاوید... میں زیادہ بول گئی۔ دراصل ہمارے خون میں نصیحتیں، فضیحتیں اور مشورے شامل ہیں۔ ہمارے ماں باپ اور ان کے ماں باپ بھی ایسے ہی تھے۔ ہم گفتگو پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ آپس میں بات چیت سے کئی مسائل حل ہو جاتے ہیں پر علم سے اور انسان سے محبت کرنے والے لوگ ہیں ہمارا ضمیر محبت سے ہی اٹھا ہے۔"

"تمہاری اس ساری تقریر کا حاصل یہی ہے کہ تمہیں ڈر ہے کہ میں کہیں تمہیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔ ارے بابا تین سال ہو گئے ہیں یہاں۔ حد ہے اب بھی سوچتی ہو کہ میں کہیں پاکستان نہ چلا جاؤں۔" جاوید پیار سے بولا۔ "میں تمہارے چھوڑ کر جانے سے نہیں ڈرتی۔ میں تمہاری سادگی کے استعمال ہونے سے اور استعمال کئے جانے سے ڈرتی ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہیں بے وقوف کیوں بنائے۔" نورین نے کہا۔

"میں پاکستان نہیں جا رہا البتہ میری کمپنی مجھے ملائیشیا بھیجنا چاہتی ہے۔" جاوید نے کہا۔ "تم اپنی کمپنی سے کہو تمہیں دوبئی، ملائیشیا، لندن اور جنوبی افریقہ کے علاوہ جہاں چاہیں بھیج دیں۔" طاہرہ نے مشورہ دیا۔

"کیوں... ان جگہوں پر پابندی کیوں؟" جاوید نے پوچھا۔

"تاکہ تمہارے کسی بھگوڑے بھائی سے ملاقات نہ ہو جائے۔ وہاں وارداتیں کر کے ان ہی ممالک کی طرف نکل جاتے ہیں۔" طاہرہ نے برجستہ جواب دیا۔

"تم تو میرے گرد حصار کھینچے بیٹھی ہو۔" جاوید بولا۔

"ہاں... بالکل ٹھیک... محبت کا حصار... چاہت کا حصار... اور کچھ نہیں..." طاہرہ نے جواب دیا۔

"یا اللہ..." جاوید نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کیا... یا اللہ؟" طاہرہ نے پوچھا۔

ایک تو تم عورتیں نا... بس محبت ہی کئے چلی جاتی ہیں۔

"اس کے علاوہ اور دنیا میں ہے کیا؟" طاہرہ زچ ہو کر بولی۔

"نہیں جی... بہت کچھ ہے۔" وہ گنگنانے لگا۔

"میری آنکھوں کے سوا دنیا میں لکھا کیا ہے۔"

"لو جی... ساری فضا یکدم معطر ہو گی... آپ کی گنگناہٹ سے۔" طاہرہ بولی

"یہ لمبی لمبی تقریر نہ کیا کرو... بس مجھے کہہ دیا کرو ذرا گنگناؤ۔ میں فوراً شروع ہو جاؤں گا۔" "یہ لو ذرا میڈم نورجہاں کی یاد تازہ کرو۔ وہ پھر گنگنانے لگا۔

رت بدلے جائے موسم بدلتا رہے
چاہے طوفان کوئی مچلتا رہے
میرے پیار کا دیا یونہی جلتا رہے

میرے پیار کا دیا یونہی جلتا رہے

یہ تمہاری آواز ماحول بدل دیتی ہے۔ اس طرح تو ہماری زندگی بھی اچھی گزر جائے گی۔ طاہرہ نے کہا۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ طاہرہ کی باتوں سے تنگ تھا بلکہ وہ اس کی باتوں کو بہت توجہ سے سنتا تھا مگر وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ طاہرہ اس کی جانب سے پریشان نہ ہوا کرے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے گانے کا شوق طاہرہ کی گفتگو کے دوران ہی پورا کرلیا کرتا جس سے عموماً وہ خوش ہی ہوا کرتی تھی۔

* * *

"منجھلی آپا کی طبیعت قدرے خراب تھی پچھلے دنوں، پر اب شکر ہے وہ ٹھیک ہیں۔" ناشتے سے قبل طاہرہ نے اسے منجھلی آپا کی خیریت بتائی۔ جاوید چونک پڑا۔ "ہاں... ان بیچاری کو دل کا عارضہ لاحق ہے۔ اتنے بہن بھائیوں میں وہی ایک تھیں جنہیں میرا خیال رہتا تھا۔ مجھے کبھی دوسرے لڑکوں کی طرح رات گئے دیوار کود کر گھر میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ کیونکہ منجھلی آپا دروازہ کھولنے کے لئے جاگتی رہتی تھیں۔ اللہ انہیں سلامت رکھے۔"

"آمین ثم آمین۔" طاہرہ نے کہا۔

وہ دونوں خاموشی سے ناشتے کی پلیٹ پر جھک گئے۔ مہران ابھی تک سو رہا تھا۔ "معلوم نہیں کب اٹھے گا مہران... رات کو کھیلتے کھیلتے ہی سوگیا تھا۔ دودھ بھی نہیں پیا اس نے۔"

"مہران کی خدمت کرنے کے لئے کیوں پریشان ہورہی ہو۔ میں سامنے بیٹھا ہوں۔ لاؤ... میرے منہ میں کھلاؤ۔" جاوید کے کہنے پر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"لایئے جناب... یہ خواہش بھی آپ کی پوری کردیتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے سلائس کا ٹکڑا جاوید کے منہ میں ڈال دیا۔ جاوید نے لقمہ چباتے ہوئے چائے کی سپ لی اور بولا۔ "مجھے منجھلی آپا کو دیکھنے جانے کی اجازت دے دو۔ پتہ نہیں پھر موقع ملے نہ ملے۔" جاوید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب تو وہ ٹھیک ہیں بھیا اور بھابی انہیں دیکھنے گئے تھے۔"

"کیا ٹھیک ہوں گی وہ طاہرہ... بیس برس کی عمر سے ہی ان کا دل بیمار ہوگیا تھا۔ وہ تو انہیں سسرال اچھا ملا تبھی جی گئیں راحیل بھائی شروع سے ہی ان کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے دوائیں کھلاتے ہیں۔ ان کی ساس بھی بہت اچھی خاتون ہیں۔ اللہ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

"میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ انہیں علاج کے لئے یہاں بلالوں۔"

"شاید ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ کب کی آچکی ہوتیں۔" جاوید نے کہا۔ "میں ایک دن کے لئے انہیں دیکھنے جاؤں گا... بس یوں گیا اور یوں آیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔" جاوید نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"آپا کی تیمارداری کو جانا چاہو گے تو بھلا میں کیوں روکوں گی تمہیں۔" اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

* * *

ابھی وہ جناح ٹرمنل کراچی کے حدود سے باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ شہزاد نے اسے منجھلی آپا کے زندگی ہارنے کی خبر دی۔ تدفین و تکفین میں وہ خاموشی سے شریک رہا۔ مگر لوگوں کی زبانیں بولتی رہیں۔ کہاں سے آئے ہو۔ کب تک رہو گے۔ کیا کرتے ہو۔ بیوی کیا ہے۔ سنا ہے بچہ بھی ہے۔ وہ جواباً صمم بکمم بنا رہا۔ ایک دن کے لئے یا تھا مگر اب سوئم بھی ہوگیا تھا۔ واپسی کا قصہ گیا مگر ائیرپورٹ پر ہی دھرلیا گیا۔

اس نے وجہ پوچھی۔ تو جواب میں ایک کلک رسید کی گئی۔ "ہم سے سوال پوچھتا ہے۔" سادہ لباس والے اہلکار نے کہا۔

اللہ بھلا کرے پروفیسر شہزاد کا ضمانت قبل از گرفتاری کے سارے ڈاکومنٹس تیار کئے بیٹھے تھے۔ اُسے بیرون ملک جانے کی اجازت نہیں تھی۔ منجھلی آپا کے بچوں نے زبردستی اپنے گھر ہی روک لیا۔ کہ "امی سے ملنے آئے تھے تو جاوید ماموں پھر ہمارے گھر ہی رکئے۔"

وہیں پرانے دوست ڈھونڈتے ہوئے آتے گئے۔ کیونکہ کسی ایک کو خبر ملی جس سے باقی سب باخبر ہوگئے۔ اب اسے مہران اور طاہرہ شدت سے یاد آنے لگے تھے۔ کسی کسی وقت اُسے ایسا لگتا جیسے طاہرہ کے سارے خدشات درست ہونے والے ہوں۔ طاہرہ فون پر اس کا حوصلہ بڑھاتی اور دعائیں پڑھنے کا

کہتی رہتی۔
منجھلی آپا کو دنیا سے گئے پانچواں ہی دن تھا کہ رات گئے محلے میں پراسرار نقل و حرکت ہوئی۔ اور پھر جاوید کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر نامعلوم سفر پر روانہ کر دیا گیا۔ نامعلوم جگہ پہنچ کر اس سے چند الزامات کا اقرار کرنے کو کہا گیا اور کچھ لوگوں کے بارے میں معلومات مانگی گئی۔ جن سے وہ قطعاً لاعلم تھا۔ شاید یہ طاہرہ کی دعاؤں کا اثر تھا کہ تین گھنٹے کی انکوائری کے بعد اسے چھوڑ دیا گیا۔ وہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کی امریکن کمپنی کا نام سن کر اس پر ہلکا ہاتھ رکھا گیا۔ جس سے اسے واپسی کی امید ہو چکی تھی۔ ورنہ اول دن ہی وہ یہ سمجھا تھا کہ گئے کام سے اب جیل میں سڑنا ہوگا اور پوچھنے والا کوئی نہیں۔ خوش بختی سے ایسا نہیں ہوا۔ البتہ اسے باہر جانے کی اجازت مل گئی۔ شاید منجھلی آپا قبر سے اُسے دعائیں دے رہی تھیں۔ ادھر وہ ایئرپورٹ سے نکلا ہی تھا کہ ماں بیٹا اس سے لپٹ گئے۔ "سمجھو موت کے منہ سے واپس آگئے ہو میں یہ میری محبت ہے جو تمہیں کھینچ لائی۔ ورنہ میں نے تو جانے کیسے کیسے خوف ناک خواب دیکھ لئے تھے۔ "جب وہ لوگ مجھے لے گئے تھے نا اور میری آنکھوں پر پٹی بندھی تھی اس وقت شدت سے مجھ میں جینے کی آرزو بیدار ہوئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے موت ایک گولی کی صورت میں آکر میرے بدن کو چھید کر ڈالے گی۔ یا پھر کسی زخمی حالت میں پڑا ہوا ملوں گا۔ مجھے اس وقت تمہاری غیر موجودگی شدت سے محسوس ہوئی۔"
"شکر ہے جاوید... تم کسی پیچیدہ مسائل میں نہیں الجھائے گئے۔ لاکھ لاکھ شکر ہے۔" اس نے لرزت ہونٹوں اور بھیگے پلکوں سے شکر ادا کیا۔ "یہ زندگی تمہاری محبت کا صدقہ ہے طاہرہ۔" اس نے دونوں ہاتھ طاہرہ کے شانے پر رکھ دیئے۔
"یہ محبت تمہارے قدموں میں پڑی رہتی ہے۔" طاہرہ نے کہا۔
"نہیں... ہرگز نہیں... یہی محبت ہے جو لہو بن کر میرے رگوں میں دوڑتی ہے... تم کیا جانو... ایک وفادار، جانثار عورت کی محبت... مرد کے لئے کسی ٹونک سے کم نہیں ہوتی... یہ محبت میرے لئے ٹونک ہے جیسے میں لمحہ لمحہ اپنے اندر اترتا محسوس کرتا ہوں۔"
"میں بہت خوش نصیب ہوں کہ میری شریک حیات ایک عام سی عورت نہیں ہے۔ میں خود کو گویا ہر لمحہ محبت کے شہر میں محسوس کرتا ہوں۔ میں اندرونی طور پر فرحت محسوس کرتا ہوں جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ تمہارے دل میں اگا محبت کا پودا روزِ اول سے ہی سرسبز ہے۔"
"محبت خدائی عطیہ ہوتی ہے۔" طاہرہ نے کہا۔ اس کا چہرہ کھل رہا تھا۔ وہ ایک معطر فضا میں سانس لے رہی تھی۔ ایئرپورٹ سے گھر پہنچتے پہنچتے وہ ایک سحر انگیز دنیا میں قدم رکھ چکی تھی۔

* * *

یہ دونوں اسکول لائف سے ہی ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ طاہرہ نے ہر مرحلے میں اس کی رہنمائی کی ہے۔ ساتھ رہا جائے تو محبت ہو ہی جاتی ہے۔ مگر طاہرہ اور جاوید کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ انہیں واقعی ایک دوسرے سے محبت ہے۔ مگر اس محبت کو "دریافت" طاہرہ نے ہی کیا ہے۔ یہ ہمارا پرانا محلے دار تھا لہذا ہم نے بھی کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ان کا گھرانا بہت سیدھا سادا ہے۔ شہزاد اور نورین جاوید اور طاہرہ کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔

"جاوید کے بڑے بھائی تو ہمیشہ مجھے کہتے ہیں کہ اب آپ ہی ہمارے خاندان کے بڑے ہیں۔ جبھی تو میں وقتاً فوقتاً ان سب کی خیریت دریافت کرتا رہتا ہوں یہ لوگ میری بات بھی مانتے ہیں جو کہتا ہوں ویسا ہی کرتے ہیں۔"

"طاہرہ بھی سب کا خیال رکھنے والی، بے لوث لڑکی ہے۔" نورین نے کہا۔

"وہ میری اکلوتی اور چھوٹی بہن ہے۔ میں بھی اسی کے جیسا ہوں۔ محبت بھری رہگزر کا راہی۔" پروفیسر شہزاد مسکرائے۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ان سے لپٹ گئی۔ جیسے کہہ رہی ہو جو بھی ہو بس میرے ہو۔

"اس دنیا میں جو لوگ محبت کا علم اٹھائے ہوئے ہیں۔ دنیا بھی ان ہی کی وجہ سے قائم ہے۔ ان محبتوں کو دیگر لوگوں کے اذہان میں منتقل ہونا چاہیے تاکہ معاشرہ مستحکم ہو سکے دونوں کی محبت گھروں کو آباد رکھتی ہے۔ گھروں سے محبت محلے، شہر اور ریاست میں پھیلتی جاتی ہے۔ خوشبو کی طرح۔ مگر اس کے راستے دشوار گزار ہوتے ہیں۔ کہیں فضا کثیف ملتی ہے تو، کہیں ماحول پراگندہ۔ مگر خوشبو کا سفر تو جاری و ساری رہتا ہے۔ خوشبو ایک پھول میں سمٹ آئے یا فضا میں بکھر جائے ہر دو صورت میں سانسوں کو معطر کرتی ہے۔"

"خدا آپ کو بہت کامیابی عطا کرے۔" نورین کے دل سے دعا نکلی۔

"میں نے تعلیم کا شعبہ اس لئے چنا ہے کہ نوجوانوں کے ذہنوں میں سوچوں میں سلجھاؤ اور مضبوطی لا سکوں... ورنہ دیکھو... پارٹیاں تعلیمی اداروں میں عمل دخل رکھتی ہیں اور وہاں تصادم کی صورت حال پیدا کرتی ہیں... ایسا اس وقت ہوتا ہے جب ایک استاد اپنے فرائض سے پہلوہی کرتا ہے۔ بہترین سماج کی تشکیل میں والدین اور اساتذہ۔ ان دو کا بہت اہم اور گہرا تعلق ہے۔ باقی کردار ثانوی ہیں۔

ہم، ہماری محبت، ہمارا گھر اور ہماری بچی، میرے شاگرد... یہی میری کل کائنات ہیں۔ ایک محبت بھری دنیا۔ یہی میرا فرض ہے۔ جسے میں روز ازل سے ردکرتا چلا آرہا ہوں۔" وہ بولتے بولتے ٹھہرے۔ تو نورین نے کہا۔

"ہر شہزاد کی بہن طاہرہ جیسی اور شریک حیات نورین جیسی نہیں ہوتی۔"

دلوں کو محبتوں سے لبریز کرنے والا بھی انسان کو منتخب کرتا ہے۔ اسی لئے تو کہتا ہوں کے اپنا کردار ادا کرو۔ اپنی محبتوں کے پھول دوسروں کے لئے بھی رکھو۔ ہم دونوں میں سے کسی کے قدم بھی کہیں نہیں ڈگمگا سکتے۔ ہماری نیت اور اندر کی خوبصورتی نے ہمیں طاقت ور بنا رکھا ہے۔ اور یہ طاقت محبت کی ہے۔ جو کائنات کا سب سے بڑا سچ ہے۔ اس سچ کی خوشبو کو محدود نہیں رہنا چاہیے۔

پندرہ برس بعد:

پروفیسر شہزاد ازل ایک مثالی کالج کے پرنسپل ہیں۔ ایک تقریباً انیس برس کا نوجوان ان کے سامنے بیٹھا ہے۔ جو اس کالج کا بہترین طالب علم رہ چکا ہے۔ بہترین کارکردگی کی بناء پر کالج کی طرف سے اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک بھیجا گیا تھا۔ وہ چھٹیوں میں اپنی ماں سے ملنے آیا تھا۔ وہ پرنسپل سے ملتمس تھا کہ اس کی ماں ان سے ملنا چاہتی ہے لہذا سے ٹائم دیا جائے۔

پرنسپل کی مصروفیات گوناگوں ہیں۔ وہ وقت نہیں نکال پاتے اور اگلے ہفتے کا کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح اگلا ہفتہ بھی گزر جاتا ہے۔ ایک دن وہ نوجوان بتاتا

ہے کہ اس کی ماں اب بیمار ہے اور پرنسپل سے ملاقات کی خواہاں ہے۔ اس طرح اگلے ہفتے کا وقت طے پاتا ہے۔ مقررہ دن وقت سے قبل ہی ایک نقاب پوش خاتون پرنسپل کے آفس میں تشریف لائیں۔ پرنسپل شہزاد اس وقت چند اہم فائلوں میں سر گھسائے بیٹھے تھے۔ خاتون نے اندر آتے ہی بتایا کہ وہ اس نوجوان خلیل کی ماں ہے جس پر ان کا کالج فخر کرتا ہے اور وہ آج انہیں صرف یہ بتانے آئی ہیں کہ اپنے دونوں بیٹوں کی تعلیم و تربیت کرتے ہوئے انہوں نے پروفیسر شہزاد ازل کو اپنے سامنے بطور ماڈل رکھا۔ جس میں وہ کتنی کامیاب رہیں یہ وہ ہی بتائیں گے۔

پروفیسر نے پوچھا۔ "خاتون کیا آپ نے بھی مجھ سے پڑھا ہے؟"

"جی نہیں مگر... استاد اور شاگرد سے کہیں زیادہ اہم تعلق رہا ہے۔ جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکی... میں مریم ہوں۔ آپ سے التجا کرنے آئی ہوں کہ میرے بیٹوں کے سر پہ اپنا دست شفقت رکھیے گا۔" اتنا کہہ کہ وہ برق رفتاری سے آفس سے باہر نکل گئیں... پھر واپس پلٹ کہ آئیں اور ایک پیکٹ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ "یہ ایک امانت ہے اسے اب میں نہیں سنبھال سکتی۔" پھر وہ دوبارہ تیز تیز قدم اٹھاتی واپس پلٹ گئیں۔

پروفیسر شہزاد بت بنے بیٹھے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ انہوں نے پیکٹ کھولا تو اس میں ان کی تحریر کردہ چند نظمیں، غزلیں، محبت نامے، طلائی چین اور انگشتری، چند یادگار تصاویر ان کے آگے بکھر گئیں۔ وہ انہیں الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ یہ سارا وہ سرمایہ تھا جسے مریم نے اب تک سنبھالے رکھا تھا جو پروفیسر نے کبھی انہیں پیش کیا تھا۔ سائیڈ پر رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر پروفیسر نے گھونٹ گھونٹ پینے کی کوشش کی مگر وہ صرف اپنا حلق ہی تر کر سکے۔ آدھا گھنٹے تک وہ اسی طرح بیٹھے کبھی اپنی غزلیں پڑھتے کبھی تصاویر دیکھتے کبھی انگشتری کو لرزتی انگلیوں میں تھامتے۔ اسی دوران فون کی گھنٹی بجنے لگی... اور مسلسل بجتی ہی رہی۔ دروازے کے باہر بیٹھے پیون نے گھنٹی کی آواز سن کر اندر جھانکا۔ پروفیسر نے اسے فون ریسیو کرنے کا اشارہ کیا۔ پیون نے ریسیور انہیں پکڑاتے ہوئے کہا۔

"سر خلیل صاحب کا فون ہے۔ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" پروفیسر شہزاد نے ریسیور تھاما۔

"ہیلو... السلام علیکم سر..." دوسری جانب سے آواز آئی۔ سر کچھ دیر قبل میری والدہ 'مریم' اس دنیا سے رخصت ہو گئی ہیں۔

لڑکے نے فون بند کر دیا۔

پروفیسر نے بے ساختہ کہا۔ "محبت رخصت نہیں ہوتی۔"

* * *

نہیں بھیا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جس نے آپ کو دکھ دیئے اسی کے اولاد کی آپ نے زندگی بنائی اور اب..." وہ بولتی ہوئی رکی... پروفیسر شہزاد نے طاہرہ کے سامنے جو بات رکھی تھی۔ اس پر ان کی بہن نے اپنا شدید ردعمل ظاہر کیا۔ وہ بولے۔

"ایسا نہ کہو... مجھے نہیں معلوم تھا۔"

"کیا نہیں معلوم تھا...؟" طاہرہ برہم تھی۔

"یہی کہ وہ کس کا بیٹا ہے۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ، فرمانبردار لڑکا ہے۔ اتفاق ہے کہ اس نے میرے کالج میں پڑھا اور ہمیشہ مجھ سے ہی مشاورت کرتا رہا۔ میں نے بھی اس کا ذوق و شوق دیکھ کر اس کی اچھی طرح رہنمائی کی اور سبھی کی کرتا رہا ہوں۔"

"میں نہیں مانتی۔" طاہرہ بولی۔

"دیکھو طاہرہ... یہ بات میں نے سب سے پہلے تم سے ہی کی ہے۔ نورین کو بھی اس معاملے میں کچھ نہیں معلوم... اگر وہ یہ جان گئی کہ اس موضوع پر تمہارے اور میرے درمیان بات ہو چکی ہے تو ہو سکتا ہے اُسے شاک لگے۔ لیکن وہ میرے فیصلے پر ایسا ری ایکشن نہیں دے گی جو تم نے دیا ہے۔"

"بھابھی کو معلوم ہی کیا ہے بھیا... کہ وہ ری ایکٹ کریں گی۔ انہوں نے تو ایکٹ دیکھا ہی نہیں... جب آپ سگریٹ کے دھوئیں میں اپنا چہرہ چھپا لیتے تھے اور دیواروں سے سر ٹکراتے تھے۔ اس وقت میں آپ کے پاس ہوتی تھی اور کوئی نہیں۔ اس ہرجائی کے عشق میں جتنے آپ ڈوبے تھے وہ میں جانتی ہوں۔ پھر اس کی بے وفائی کے داغ کو جس طرح آپ نے برداشت کیا ہے وہ میں نے دیکھا ہے آپ کے سکون اور اطمینان کے لئے راتوں کو مصلح بچھا کر میں روئی ہوں۔ میں نے آپ کے لئے ہر پل دعائیں مانگی ہیں کہ آپ کو ایسی وفا شعار شریک حیات ملے کہ آپ کی زندگی گلاب کی طرح کھل جائے۔ رب کائنات نے میری سن لی میری آرزو اور خواہشوں سے بڑھ کر مجھے بھابھی ملیں۔ وہ فرشتوں اور حوروں کے کے درمیان کی کوئی مخلوق لگتی ہیں اور آپ ستاروں کی طرح جگمگائے ہیں... بھیا یہ کیا کر رہے ہیں آپ... اب مرنے کے بعد اس کی روح کو آرام پہنچانے کا سوچ رہے ہیں۔"

"اس میں برائی کیا ہے۔ وہ ہنی کا ہم پلہ ہے۔" پروفیسر شہزاد نے کہا۔

"ہم پلہ اور... تم پلہ... میں نہیں جانتی آپ ایسا نہ کریں۔"
"اس سے اچھا لڑکا ہنی کو نہیں ملے گا۔ وہ میری اکلوتی اولاد ہے اور خلیل میرا تابعدار شاگرد۔" پروفیسر نے وضاحت کی۔
"ایسے ایسے تابعدار، بعد میں سر کے سر پہ جوتے مارتے ہیں۔" طاہرہ نے تنک کر جواب دیا۔
"اللہ میری عزت سلامت رکھے۔" پروفیسر نے کہا اور طاہرہ کو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے لئے کہا۔
"آپ کہیں تو میں ہنی کے لئے اور رشتے دیکھوں... جاوید کے بھانجے بھتیجے بھی بہت لائق فائق ہیں۔"
"اچھا... تم سوچ لو..." پروفیسر نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔
حسنِ اتفاق ہے کہ رات کے کھانے پر نورین نے ہنی کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا۔
"ہنی کا ایم جی بی ایس فائنل آخری مراحل میں ہے۔ اب آپ کے کیا ارادے ہیں۔ کوئی رشتہ دیکھیں... ہماری بٹیا نے تو پھر لوگوں کی طرح عشق و محبت کا کوئی روگ نہیں پالا۔
"وہ پریکٹیکل لڑکی ہے۔ دنیا کو حقائق کی آنکھ سے پرکھتی ہے۔" پروفیسر نے کہا۔
"میں اسے مزید تعلیم کے لئے بیرون ملک بھیجوں گا۔" پروفیسر کے کہنے پر نورین نے کہا۔
"گڈ... یہ بڑی اچھی بات ہے ہنی سنے گی تو خوش ہوجائے گی۔"
"رشتے کے سلسلے میں تمہارے ذہن میں کوئی ہو تو بتاؤ یا پھر ہنی سے بھی پوچھو۔" پروفیسر شہزاد بولے۔
"آپ جو کہیں گے وہی ہوگا۔ ویسے مہران پر بھی غور کیجئے گا۔" نورین نے طاہرہ کے بیٹے کے بارے میں یاد دلایا۔
"ایسا کیوں سوچتی ہو۔ پہلے ہی ہمارا خاندان مختصر بلکہ مختصر ترین ہے۔ آپس میں شادیاں ٹھیک نہیں ہیں میرے خیال میں۔"
"دیکھا بھالا ہے جبھی کہہ رہی ہوں۔ ورنہ اجنبی لوگوں کو کون چھانے پھٹکے۔" نورین نے کہا۔
"ہنی اور مہران کے بارے میں کیا کبھی طاہرہ نے کوئی خیال ظاہر کیا ہے؟" پروفیسر نے نورین بیگم سے پوچھا۔ کیونکہ طاہرہ کے شدید ردِ عمل سے بھی بھونچکا تھے۔ انہیں چند خدشات بھی لاحق ہوچلے تھے۔
"جی نہیں اس نے ایسا کبھی کچھ نہیں کہا۔ یہ تو میں آپ سے کہہ رہی تھی۔ اس موضوع پر کبھی کسی سے کوئی اور بات نہیں کی میں نے اب تک۔" نورین نے بھی اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیوں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"
"نہیں... ایسا تو کچھ نہیں ہے؟ ایک رشتے کے بارے میں طاہرہ سے ڈسکس کیا تھا۔ وہ تو بہت ناراض ہوئی۔" پروفیسر شہزاد یہ بات زیادہ دیر تک نہ چھپا سکے لہذا نورین سے ذکر کر ہی دیا۔ وہ خوش ہوتی ہوئی بولیں۔
"اچھا... یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ رشتے کی ڈسکشن شروع ہوچکی ہے۔ کچھ مجھے بھی بتایئے۔" نورین نے اپنے شوہر کے اور قریب ہوتے ہوئے کہا۔
پروفیسر نے اپنا ہاتھ نورین کے شانے پر رکھا۔ تو اس نے پوچھا... "ہے کوئی میرے شہزاد جیسا؟" پروفیسر نے مڑ کر نورین کی آنکھوں کو غور سے دیکھا... پھر دھیرے سے بولے۔ "میرے جیسا؟... کیا کوئی تم سی دلربا ہے اس دنیا میں؟" پھر خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا کہ جب دنیا میں کوئی نازنین تم جیسی نہیں ہے تو کوئی میرے جیسا کیسے ہوسکتا ہے۔"
"نازنین؟" نورین نے زیرِ لب کہا اور ماحول قہقہہ پار ہوگیا۔
"ہاں... جانِ من... ہماری جواں محبت نے ہمیں بھی توانا رکھا ہے۔ اور ہمارے ڈبل ڈول، قد کاٹھ، ہڈی پسلی کو بھی۔" پروفیسر شہزاد نے نورین کے بازو کو دباتے ہوئے کہا۔
"ارے... کیسی باتیں کرنے لگے ہیں آپ۔" نورین نے آہستہ سے کہا۔
"کیوں، کیا ہوا، محبت پر بڑھاپا کبھی نہیں آتا۔ جبھی تو بوڑھے رنگیلے بھی ہوتے ہیں۔ ویسے زیادہ تر بوڑھے چڑچڑے ہی ہوتے ہیں مگر جن کا دل تم جیسی حسین و جمیل شریکِ حیات سنبھالے رکھتی ہیں وہ تو کبھی بوڑھے ہی نہیں ہوتے۔"
"چھوڑیئے بھی یہ باتیں... اپنے ہونے والے داماد کی بات کریں۔ کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کس کا بیٹا ہے؟" نورین نے خوشی کے مارے کئی سوال ایک

ساتھ داغ دیئے۔
"اچھا ہے... مگر اس میں ایک بہت بڑی خرابی ہے۔"
"خرابی..." نورین کا چہرہ پر فکر ہوگیا۔
"ہاں... یہی کہ وہ مریم کا بیٹا ہے... خلیل۔"
"اوہ... مریم کا بیٹا۔ یہ تو اچھی بات ہے کہ وہ کسی اجنبی کا بیٹا نہیں۔" نورین کی خوشی دیدنی تھی۔
"کیا مریم نے خود یہ پیشکش کی ہے؟"
"نہیں۔"
"پھر..."
"وہ کیسے کر سکتی ہے۔ اُسے تو دنیا سے گئے عرصہ ہوگیا۔" پروفیسر کی آواز ہلکی تھی۔
"ہیں... آپ نے مجھے بتایا نہیں... انا للہ وانا الہ راجعون۔" نورین دکھی ہونے لگی۔
"وہ مجھے بتا کر دنیا سے نہیں گئی... نہ ہی مجھے یہ معلوم تھا کہ خلیل اُس کا بیٹا ہے۔" پروفیسر یہ کہہ کر خاموش ہوئے تو نورین نے کہا ٹھہریں میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔ پھر آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"
وہ چائے کی ٹرے کمرے میں ہی لے آئی اور جلدی جلدی کپ میں چائے ڈال کر چینی چلاتی ہوئی بولیں... "آپ لڑکے کو کب سے جانتے ہیں؟"
"بہت عرصے سے۔" پروفیسر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
"مجھے بھی دکھائیں... کیسا ہے وہ... ویسے آپ نے چنا ہے تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ آپ اُسے گھر پہ بلائیں۔ نورین نے جلدی جلدی کہا۔ آج بے چینی و خوشی اس کی ذات سے صاف جھلک رہی تھی۔ پروفیسر نے موبائل فون نکال کر کوئی نمبر ڈائل کیا۔
والیوم فل اوپن تھا۔
ہیلو! خلیل!
"السلام علیکم سر۔"
"وعلیکم السلام۔" کل شام تم چائے میرے ساتھ پیو گے۔
"آفس آجاؤں سر؟"
"آفس کیوں... گھر پہ۔"
"اوکے سر، میں عصر کے بعد حاضر ہوجاؤں گا۔ اللہ حافظ۔" اس کی آواز نورین نے پہلی بار سنی اور دمکتے چہرے کے ساتھ بولی۔
"یہ تو بڑا فرمانبردار لگتا ہے آواز بھی اچھی ہے۔ بات بھی کتنے ادب و تمیز سے کی ہے اس نے۔"
"ابھی وہ تمہارا داماد نہیں بنا صرف میرا شاگرد ہے۔" پروفیسر نے نورین کو نہال ہوتا دیکھ کر کہا۔
"سنئے... لڑکا کرتا کیا ہے۔ رہتا کہاں ہے۔" نورین سب کچھ جاننے کے لئے بے چین تھی۔
"اتنی جلدی بھی کیا ہے آجائے تو خود ہی پوچھ لینا۔" پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

* * *

نورین نے سارے گھر پر طائرانہ نظر ڈالی۔ کہاں کیا کیا تبدیلی کی جائے۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا پھر بھی اس نے لان میں مالی کو کہہ کر چند پھولوں کا اضافہ کیا۔ گھر کی جھاڑ پونچھ کا کہہ کر ہنی کو شام کی تیاری کا بھی کہہ دیا۔ حالانکہ مہمان کو لان میں ہی بیٹھنا تھا۔
دوسری شام پروفیسر شہزاد حسب عادت اسٹڈی روم میں تھے مگر نورین بے تابی سے ٹہل رہی تھی۔ گارڈ نے خلیل صاحب کے آنے کی خبر دی تو پروفیسر شہزاد کافی تاخیر سے اسٹڈی روم سے نکلے مگر استقبال کے لئے گیٹ پر نورین ہی آگئیں۔ علیک سلیک کے بعد خلیل کو سیدھا ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔
"پروفیسر صاحب اسٹڈی روم میں ہیں آتے ہی ہوں گے۔ تم بیٹھو آرام سے۔" نورین کے کہنے پر وہ بولا۔ "مجھے آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ آج قدرت نے موقع خود ہی فراہم کردیا۔" نورین جواباً مسکرائیں۔ لبوں پر پچاسوں سوال تھے۔ مگر کچھ پوچھنا مناسب نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی پروفیسر شہزاد تشریف لے آئے۔

"میں نے کہا تھا لان میں بیٹھنا ہے۔ پھولوں کے درمیان۔ خوش رنگ و خوشبودار و سبزہ زار پر ملاقاتیں شاندار رہتی ہیں نورین بیگم۔ آپ نے انہیں دیواروں کے درمیان بٹھا دیا۔ چلئے وہیں چلتے ہیں جہاں گل مسکراتے ہیں۔"

پھر وہ تینوں وہاں سے اٹھ کر لان کی جانب رواں ہوگئے۔ استاد شاگرد کی آپس کی گفتگو کا آغاز ہوا تو نورین بیگم، خلیل کا بغور جائزہ لینے لگیں۔ ڈارک گرے پینٹ، اسکائی کلر کی شرٹ پر پلونش ٹائی، اس کی شخصیت کو نکھار رہی تھی... انہوں نے خود کلامی کی۔

"یا خدایا! اتنا خوب صورت لڑکا۔ یہ لڑکا واقعی خوب صورت ہے یا میری آنکھیں اسے ایسا دیکھ رہی ہیں۔" انہوں نے خود سے ہی سوال و جواب شروع کر دیا۔

پروفیسر بولے۔ "نورین! تم لوگ پہلی بار مل رہے ہو۔ یہ خلیل میرے بڑے فرماں بردار شاگرد رہے ہیں۔ آج کل لندن سے یہاں چھٹیوں پر آئے ہوئے ہیں۔ جب بھی یہاں آتے ہیں۔ مجھے شرفِ ملاقات ضرور بخشتے ہیں یہ۔"

"ماشاء اللہ چشم بددور۔" نورین نے بے ساختہ کہا۔

وہ نورین سے مخاطب ہو کر بولا۔ "اس بار سر نے مجھے اپنے گھر بلا کر بہت عزت بخشی ہے۔"

نورین نے چاہا اس سے ذاتی سوالات شروع کر دے۔ مگر بڑی مشکل سے اپنی زبان کو قابو میں رکھ کر فقط مسکراہٹ بکھیرنے پر ہی اکتفا کیا۔ پروفیسر شہزاد نے چائے لان میں ہی منگوالی۔ اسی دوران ہنی باہر آتی ہوئی دکھائی دی تو پروفیسر شہزاد نے اسے آواز دے کر وہیں بلا لیا۔

"ہنی... بیٹے اِدھر آؤ... یہ ہمارے مہمان ہیں خلیل۔" ہنی کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ جھٹ کھڑا ہوگیا۔

"السلام علیکم۔" ہنی نے قریب آکر سلام کیا اور مسکراتی ہوئی بولی۔

"سر آپ یہاں؟"

نورین اور شہزاد انہیں دیکھتے ہی رہ گئے۔

"تم انہیں جانتی ہو؟" نورین نے اپنی بیٹی سے پوچھا۔

"جی ممی... سر خلیل، ہر سال نیو ڈاکٹرز کو لیکچر دینے لندن سے آتے ہیں۔"
"ارے واہ! یہ تو بہت اچھی بات بتائی تم نے۔" پروفیسر شہزاد نے اپنی بیوی کو بہت خوش دیکھا۔
نورین نے ہنی کو وہیں بیٹھنے کا کہا۔
ہنی بولی۔ "سر آپ سیکنڈ لیکچر دینے کب آئیں گے؟"
"لو... یہ تو تمہارے گھر آگئے ہیں۔ یہیں سن لو لیکچر..." نورین نے خلیل کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو خلیل اور پروفیسر شہزاد نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔
"بھئی تم سب ایک دوسرے سے واقف ہو سوائے میرے۔" نورین نے مصنوعی ناراضی کا اظہار کیا۔
"آنٹی اب میں آپ ہی سے ملنے آجایا کروں گا۔ سر تو بہت بزی رہتے ہیں۔ بڑی مشکل سے تو ٹائم ملا ہے آج۔" اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔
"ہاں... کیوں نہیں۔ میرے پاس بہت ٹائم ہے تمہارے لئے... ویسے کب تک ہو یہاں۔" جی تو چاہا کہ بہت سارے سوالات کرے مگر فی الحال ایک سوال پر ہی اکتفا کیا۔
پروفیسر شہزاد بولے۔ "ہنی کا فائنل تو مکمل ہوگیا ہے اب اسے اسپیشلائزیشن کے لئے، میں بیرون ملک بھیجنے کا سوچ رہا ہوں۔"
"بالکل ٹھیک ہے۔ لندن میں بہت اچھی یونیورسٹیز ہیں۔ میں جس حد تک ممکن ہوا ہیلپ کروں گا۔ خلیل نے ہنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"تم لوگ باتیں کرو۔ میں کھانے کے انتظامات دیکھتی ہوں۔" نورین یہ کہہ کر اٹھنے لگی۔
"نہیں آنٹی۔ آج کے لئے چائے کافی ہے۔ کھانا پھر کبھی سہی۔"
"آپ پہلی بار آئے ہیں بیٹا... چائے کی دعوت تو تمہارے پروفیسر صاحب کی تھی... اب ڈنر میری طرف سے کرنا۔"
"نہیں... پھر کبھی..." وہ جلدی سے بولا۔
"نہیں... بس میں نے کہہ دیا..." وہ اٹھ کر اندر جانے لگی۔
اندر سے پروفیسر کو فون کرکے سرگوشی میں کہا۔ "ذرا اپنی جگہ سے دور آکر میری بات سنیئے۔" پروفیسر نے فون کان سے لگایا اور اندر آتے ہوئے پوچھا۔ "فون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"
"میں کہہ رہی ہوں ذرا تھوڑی دیر کے لئے وہاں سے اٹھ جایئے۔ لڑکا لڑکی کو اکیلے بیٹھنے دیجئے۔" اچھا کہہ کر پروفیسر نے کسی فائل کو لینے کا کہہ کر اندر چلے گئے۔
نورین بیگم بالائی منزل کی کھڑکی سے انہیں جھانک کر دیکھ رہی تھیں۔ ہنی کا انداز تو وہی شوخی لئے ہوئے تھا۔ مگر خلیل سنجیدگی کے ساتھ دھیرے دھیرے باتیں کررہا تھا مگر اس کا انداز نہایت مہذب تھا۔ وہ جلدی سے سیڑھیاں طے کرکے نیچے اتریں اور ان کے پاس آکر بیٹھ گئیں... وہ نورین سے طب کے ہی کسی موضوع پر بات کررہا تھا۔ جلدی ہی پروفیسر شہزاد بھی وہاں رونق افروز ہوئے۔
ہنی نے پوچھا۔ "سر ڈنر میں آپ کے لئے کیا بنواؤں؟"
"نو... تھینکس..." وہ مسکرا کر رہ گیا۔
نورین نے کہا۔ "ہاں... ہاں بیٹا بتادو..."
"بہت شکریہ... آپ جو کھلائیں گی۔ کھالوں گا۔"

ہنی اور نورین دونوں کچن کی جانب چلی گئیں۔ یونہی بات چیت میں شام ڈھل گئی۔ تو پروفیسر شہزاد نے کہا۔ "آج تو وقت کا پتہ ہی نہیں چلا کتنی جلدی گزر گیا۔"

کچھ دیر بعد وہ سب ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔ نورین نے پوچھا۔ تمہارے بہن بھائی...؟"
"ایک چھوٹا بھائی ہے لندن میں۔ ممی جب حیات تھیں تبھی اس کی شادی ہوگئی تھی۔ اس کی دو بچیاں ہیں۔ وہ پاکستان نہیں آتا۔"
"اور... تم؟" نورین بیگم کو اس کے بارے میں جاننے کی بے قرار تھی۔
"ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔" اس نے قدرے شرما کر کہا۔
نورین نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ وہ ابھی کنوارہ ہے۔
"تم یہاں کس کے گھر ٹھہرے ہو؟" نورین نے اپنے دماغ میں کلبلاتے ہوئے سوالات پوچھنے کا آغاز کر دیا۔
"ہوٹل میں۔"
"اب آئندہ ہمارے گھر ٹھہروگے سمجھے۔" نورین نے جھٹ آفر کر دی۔
"ہمارا کوئی بیٹا نہیں ہے صرف ہنی ہی ہے ہمارے گھر میں۔ تم آجانا۔"
"تھینکس..." وہ مسکرایا۔
پروفیسر شہزاد نے مذاقاً کہا... "پہلی بار ملی ہے نا تم سے اس لئے انسپائر ہوگئی ہے۔"
وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں آپ لوگوں کے درمیان بہت اچھا محسوس کر رہا ہوں۔"
"بہت بہت شکریہ بیٹا۔" نورین نے کہا۔
ڈنر پر گفتگو اتنی طویل ہوگئی کہ اچھا خاصا وقت گزر گیا۔ نورین نے کہا۔ "آج تو ہلکا پھلکا ڈنر تھا۔ روزمرہ کا۔ آئندہ انشاء اللہ تمہاری بھرپور دعوت ہوگی۔"
"نہیں آنٹی... یہی بہت تھا۔ آپ نے تکلف کی۔"
وہ جانے کے لئے اٹھا۔ گیٹ تک جاتے جاتے پروفیسر شہزاد اور خلیل کئی بار رکے، پھر چلے، دو چار قدم چلنے کے بعد پھر رک کر گفتگو شروع کر دی۔ پھر کھڑے رہے۔ بالآخر وہ اس وقت رخصت ہوئے جب نورین نے دوبارہ گیٹ تک آگئیں۔
"ارے اسے جانے بھی دیجیے۔ آرام کرے گا۔" نورین کے کہنے پر وہ بولا۔ "آنٹی آپ کو اللہ حافظ کہنے کے لئے کھڑا تھا۔ پھر وہ رخصت ہوگیا۔
نورین کی بے تابی، بے چینی، بے قراری، خوشی سب اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔
"سنیے... جلدی رشتے کی بات چیت شروع کیجئے۔" نورین نے کہا۔
"پہلے ہنی سے پوچھ لو اُسے کیسا لگا خلیل۔"
"ہاں ضرور... کیوں نہیں۔" پروفیسر نورین کی بے قراری دیکھ کر مسکرانے لگے۔
رات سونے سے قبل نورین بیگم ہنی کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ مطالعے میں غرق تھی۔
"سنو ہنی بیٹا... خلیل کو کب سے جانتی ہو؟"
"بتایا تھا نا ممی... ہر سال کالج میں لیکچر دینے آتے ہیں دو بار۔"
"اچھا... کیا تم سے کبھی بات ہوئی؟"
"جی ممی... بلکہ مجھے تو لڑکیاں کہتی ہیں کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں میری طرف زیادہ متوجہ رہتے ہیں۔ لیکن میں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے وہ پپا کی وجہ سے مجھے جانتے ہوں جیسا کہ کالج میں سبھی کو معلوم ہے کہ میں مشہور شاعر و ادیب پروفیسر شہزاد ازل کی اکلوتی بیٹی ہوں۔"
"اچھا... یہ بتاؤ... تمہیں کیسے لگے خلیل۔"
"اب وہ پپا کے چہیتے شاگرد ہیں تو خوبیاں تو ہوں گی نا ان میں۔" ہنی کا جواب نورین کے سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید اس لئے کہ وہ واضح جواب سننا چاہ رہی تھیں۔
"اچھا ہنی بیٹا... جب ہم لان میں نہیں تھے تو وہ تمہیں کیا سمجھا رہے تھے۔ کہیں تمہارے پپا کی طرح نصیحتیں اور مشورے تو نہیں دے رہے تھے۔"
"جی نہیں... وہ میری دوستوں کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ میں نے کہہ دیا ساری لڑکیاں انہیں بہت پسند کرتی ہیں۔"
"ہا... تم نے یہ کیا کہہ دیا؟" نورین نے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔

"پھر..." نورین نے بے چینی سے پوچھا۔
"پھر... انہوں نے پوچھا..." ہنی بولتی ہوئی لمحے بھر کو رکی۔
"کیا پوچھا..." نورین نے ہنی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔
"انہوں نے پوچھا کہ ان کے بارے میں میری رائے کیا ہے۔"
"تم نے کیا جواب دیا؟"
"میں نے کہا آپ بہت خوبصورت ہیں سر۔"
"پھر..."
وہ شرما گئے اور میں ہنس پڑی۔ ہنی کے لہجے میں شوخی تھی۔
پھر کیا کہا؟
"پھر... پھر ممی... انہوں نے میرے دوستوں کے نام پوچھے۔ میں نے بتادیئے۔ پھر انہوں نے کہا میں انہیں بھی اپنا دوست بنالوں۔"
"اچھا..." نورین کی باچھیں کھل گئیں۔
"میں نے کہا آپ تو پپا کے دوست ہیں۔"
وہ بولے۔ "ان کا دوست نہیں ہوں۔ وہ مجھ سے بہت بڑے ہیں۔ استاد روحانی والدین ہوتے ہیں۔ دوستی اپنے برابر کے لوگوں سے کی جاتی ہے۔"
تو میں نے کہا کہ۔ "آپ تو ہمیں بھی لیکچر دیتے ہیں نا... اس لئے میرے بھی استاد ہوئے؟"
تو وہ کہنے لگے کہ۔ "ہم میں ایج ڈفرنس زیادہ نہیں ہے اس لئے دوستی ہوسکتی ہے۔"
نورین مسکرائیں۔ "پھر تم نے کیا کہا؟"
ممی میں نے کہا۔ "اچھا تو لایئے ہاتھ ملایئے..."
مگر وہ بولے "نہیں ہاتھ ملانے والی دوستی نہیں۔ پکی والی دوستی۔"
"اچھا... پھر..."
"پھر یہ کہ امی آپ آگئیں تو وہ خاموش ہوگئے بلکہ خاموش نہیں ہوئے انہوں نے بات بدل دی تھی۔"
"آپ اتنے سوال کیوں کررہی ہیں؟" ہنی نے پوچھ ہی لیا۔
"وہ... دراصل ہنی ہمارے ہاں کوئی لڑکا پہلی بار اپنی فیملی کے بغیر آیا ہے نا اس لئے۔" نورین نے بات کو ٹالنا چاہا۔
* * *
دوسری شام پروفیسر حسب عادت لان میں کرسی ڈالے مطالعے میں مصروف تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔
"ہیلو..."
"السلام علیکم سر..."
"ارے خلیل... کیسے ہو۔ کل تھک تو نہیں گئے تھے ہماری باتوں سے۔"
"جی نہیں سر فریش ہوگیا تھا آپ کی فیملی سے مل کر بہت اچھا لگا۔"
"لیکن سر..."
"ہاں بولو۔"
"میں جس مقصد سے آپ سے ملنا چاہتا تھا۔ قدرت نے مجھے اس کا موقع بھی دیا پھر بھی وہ بات رہ گئی۔"
"ارے کیوں جھجکے؟"
"سر میری ہمت نہیں ہوئی۔"
"ایسی کون سی بات تھی جس کے لئے ہمت چاہیے؟"

"چلو! تو پھر آجانا۔"

"نہیں... شاید میں آپ کے سامنے نہیں کہہ سکوں۔"

"تو ابھی کہہ دو۔"

"سر! میں نے ہمیشہ ہر بات آپ سے ڈسکس کی ہے۔ اس لئے یہ بات بھی آپ سے ہی کہوں گا... مگر اس سے قبل آپ سے... معذرت چاہتا ہوں۔ اگر آپ برا مانیں تو مجھے ناسمجھ جان کر معاف کر دیجئے گا۔"

"اچھا... چلو... معاف کرتا ہوں ابھی کہہ دو۔"

"سر ممی نے آخری وقت یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ..."

"ہاں ہاں بتاؤ..."

"وہ آپ کے پاس اس مقصد سے آئی بھی تھیں مگر... شاید وہ اپنی بات نہ کہہ سکیں۔"

"بولو... بیٹے۔" پروفیسر نے اسے ہمت دلائی۔

"ممی نے کہا تھا کہ تم اپنے پروفیسر شہزاد ازکی بیٹی ہنی سے شادی کرنا۔ اس طرح وہ آخرت میں سکون سے رہیں گی۔"

"تم مجھے یہ بات پہلے کہہ دیتے۔" پروفیسر نے کہا۔

"مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا سر... سر ممی نے بہت چھوٹی عمر سے ہنی کا نام میرے ذہن میں بٹھا دیا تھا اور آپ کو مثال بنا کر مجھے بھی آپ کے جیسا بننے کی نصیحت کرتی رہی تھیں۔ وہ اگر آج حیات ہوتیں تو مجھے یہ سب کچھ کہنے کی ضرورت نہ رہتی... میں اس مرتبہ خاص اسی مقصد سے آیا تھا... میں آپ کے جواب کا بے چینی سے منتظر ہوں۔"

"ہوں ں ں... قدرے توقف کے بعد پروفیسر نے ایک ہنکارا بھرا اور گویا ہوئے۔ "کل تم گھر آجاؤ۔ کوئی رشتہ دار ہو تو ساتھ لے آنا۔"

"سر ممی نے کبھی کسی سے نہیں ملوایا بس آپ کا اور طاہرہ آنٹی کا تذکرہ کرتی رہی تھیں اور انہیں ہی رشتہ دار بتاتی تھیں... میں کئی سالوں سے اپنی والدہ کی باتوں کی ڈور میں بندھا یہاں چلا آتا ہوں۔ اور ہنی کو اپنی امانت سمجھتا رہا ہوں۔ (آپ سے معذرت کے ساتھ)

"تم کل گھر آجاؤ... آج نورین کے سامنے یہ بات رکھوں گا۔"

"بہت شکریہ... اللہ حافظ۔"

فون بند ہوتے ہی پروفیسر شہزاد نے لان میں ہی چہل قدمی شروع کر دی۔ ان کی آنکھوں کے گوشے نم ناک ہونے لگے۔ آج طویل عرصے بعد مریم کی یاد نے انہیں رلا دیا تھا۔ ان کی آنکھیں آج خوب برسیں۔ وہ اپنے گھر کے بیک یارڈ میں چلے گئے۔ کبھی ٹہلتے کبھی بنچ پر بیٹھ جاتے۔ وہ زیر لب بڑبڑائے۔ "یہ عورتیں بھی کیسے کیسے محبتوں کے ڈور باندھتی ہیں۔"

"اپنی بیٹی ہنی اور خلیل کے بارے میں وہ اب جو سوچ رہے تھے مریم اس کا فیصلہ بہت پہلے کر گئی تھی۔ گویا اس نے میری بیٹی کا رشتہ اپنے بیٹے سے بچپن میں ہی طے کر دیا تھا۔ ہوں ں ں۔ انہوں نے طویل سانس لی... بہتر ہے کہ طاہرہ سے مزید بحث کروں... ہنی سے ہی بات کر لوں بلکہ ڈائریکٹ اس کی مرض و منشاء معلوم کر لوں۔"

انہوں نے آستین میں آنکھیں خشک کیں اور اندر کمرے میں چلے گئے۔

نورین الماری کے دونوں پٹ کھولے صبح کے لئے ان کا سوٹ نکال رہی تھیں۔

وہ بولے۔ ''سنو! وہ تم نے ہنی سے کوئی بات کی، رشتے کے سلسلے میں۔'' وہ فوراً متوجہ ہوئیں۔

''جی... میں نے پوچھا تھا مگر اس کا جواب میں سمجھ نہ پائی یا شاید میرا سوال واضح نہیں تھا۔''

''ہنی کو بلاؤ... میں ابھی اس سے بات کر کے فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔'' نورین تقریباً برق رفتاری سے ہنی کے کمرے میں گئیں۔ وہ کسی سے فون پر گفتگو میں مصروف تھی۔ نورین نے اشارے سے اسے اپنے والد کے کمرے میں آنے کا کہا اور واپس ہو گئیں۔ ان کے پیچھے ہی ہنی آگئی۔

پروفیسر شہزاد نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

''بیٹا خلیل سے میں تمہیں وابستہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بھی تم سے شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔ تم بھی اپنی رائے کھل کر دے دو۔ تمہاری ممی کی بھی یہی مرضی ہے۔ تم اس سلسلے میں خلیل سے خود کوئی بات کرنی چاہو تو کر سکتی ہو۔ تم خود اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سمجھ داری سے کام لینے والی ہو لہٰذا میں کوئی بھی فیصلہ تم پر زبردستی ٹھونسنے کا قائل نہیں ہوں۔''

ہنی نے اپنے والد کی بات غور سے سنی اور ماں کی جانب دیکھا وہ جی جان سے اپنی صاحبزادی کی طرف متوجہ تھیں۔ ''آپ جیسا چاہیں پپا۔'' ہنی نے فرمانبرداری سے جواب دیا۔

''تمہاری پسند صاف ظاہر ہونی چاہیے۔''

''اوکے پپا۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں لوٹ گئی۔ نورین اس کے پیچھے پیچھے دوڑیں۔

''ہنی بیٹا تمہیں یہ بیٹا پسند آیا نا... تمہارے پپا اسے بہت عرصے سے جانتے ہیں۔'' خلیل نے تمہیں خود پروپوز کیا ہے۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ممی... وہ اچھے ہیں۔ پپا ان سے واقف ہیں یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ وہ جب بھی پاکستان آتے ہیں ان سے میری بات چیت ہوتی ہے مگر کبھی کوئی ذاتی بات نہیں ہوئی۔ وہ سلجھی ہوئی شخصیت کے مالک ہیں کیونکہ آج کل کے لڑکے پہلے لڑکیوں سے بات کر کے معاملات طے کر لیتے ہیں پھر ان کے گھر والوں سے بات ہوتی ہے مگر خلیل نے اس طرح کی کوئی حرکت نہیں کی اور عقلمندی سے درست راستہ اختیار کیا۔'' ہنی کی بات سن کر نورین نے اس کی پیشانی چوم لی۔ اور کہا، آج لگا مجھے کہ میری ہنی واقعی بڑی ہو گئی ہے اور ڈاکٹر بن چکی ہے۔ ورنہ تو میں تمہیں وہی چھوٹی سی بچی سمجھ رہی تھی۔ ماشاء اللہ۔''

"مبارک ہو شہزاد۔ ہنی کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔"
"اللہ کا شکر ہے ہمارا داماد ہزاروں میں ایک ہے۔" ان کی بات سن کر پروفیسر شہزاد نے سکھ کی لمبی سانس لی۔ "کل شام میں نے اُسے بلایا ہے اور وہ رشتے کے حوالے سے ہی آئے گا۔ ہوسکتا ہے اس سے بات چیت کے بعد ہی اسی ہفتے نکاح کی تاریخ مقرر کردوں۔"
"نکاح کی جلدی کیا ہے۔ منگنی کرلیتے ہیں جب تک۔" نورین نے صلاح دی۔
"منگنی؟" پروفیسر شہزاد اندر سے کانپ گئے۔ "منگنی ٹوٹنے کے لئے ہوتی ہے نورین... میری منگنی ٹوٹی تھی تو میں بھی اندر سے کرچی کرچی ہوگیا تھا۔ اس لفظ کا ذکر نہ کرنا۔ یہ بہت خوفناک ہے۔ انہیں کچھ یاد آگیا تھا وہ دھپ سے کرسی پہ گر گئے۔ "ارے کیا ہوا... وہ پانی کا گلاس لئے دوڑیں۔
"نہیں نہیں... آپ نکاح کریں۔ میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا تاکہ ہمارے گھر میں آئے دن کوئی نہ کوئی اہتمام ہوتا رہے۔"
"اس کی تیاری تو ہے نا؟" انہوں نے پروفیسر سے پوچھا تو وہ بولے۔
"وہ تو برسوں سے تیاری کئے بیٹھا ہے۔" پروفیسر کی بات نورین نہیں سمجھ سکیں۔ وہ سمجھتی بھی کیسے۔ انہیں تو کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔
دوسری شام ان کے گھر میں جگمگانے لگی۔ آج ڈاکٹر خلیل سلمان نے ہلکے نسواری کلر کی قمیص اور آف وائٹ شلوار زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے دیوار پر آویزاں پینٹنگ میں دلچسپی لے رہے تھے۔ ان کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ نورین نے ہنی کو شربت کا گلاس لے جانے کے لئے کہا۔ وہ لائٹ پنک جدید تراش خراش کی قمیض اور ٹراؤزر میں ملبوس بہت دلکش لگ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں سوختی اور لبوں پر حسبِ سابق تبسم کھیل رہی تھی۔ اس نے ٹرے لے جاکر خلیل کے سامنے کردیا۔ اور آداب کے لئے سر کو ہلکا سا خم کیا۔ خلیل کے چہرے پر سنجیدگی کی جگہ مسکراہٹ نے لے لی اس نے آداب کا جواب آنکھیں جھکا کر دیں۔ شربت تھما کر اس نے ٹرے وہیں رکھی اور واپس پلٹنے لگی۔
"ہنی..." اس نے یہ پیار بھری آواز، بالکل منفرد اور جداگانہ انداز پہلی بار سنی۔ وہ پلٹی... اُس نے اُسے غور سے دیکھا جیسے خود کو یقین دلانا چاہ رہی ہو کہ اُسے آواز دینے والا وہی شخص ہے... اُس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی آنکھیں ہمیشہ کی طرح کچھ بول رہی تھیں۔ وہ... وہاں رکنا چاہ رہی تھی کیونکہ اس "پکار" نے ہنی کے قدم تھام لئے تھے۔ وہ اپنے محبت کی طاقت پر ایمان رکھنے والے والدین کی محبت بھری دنیا میں رہتی تھی۔ اُسے لاکھوں بار پکارا گیا تھا... مگر اُس آواز میں جو "پیار" بھرا تھا۔ وہ صرف ایک عاشق کی آواز ہی ہوسکتی ہے۔ جو دل سے آتی ہے۔ دل کے نہاں خانوں سے۔ وہ ان کی طرف دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ یہ مسکراہٹوں کا تبادلہ آج مختلف انداز کا تھا۔ جو زندگی میں سرِ بکھیر دیتا ہے۔ جس سے نیا ولولہ نئی فرحت انگیزی جنم لیتی ہے۔ اسے محسوس ہوا جیسے کسی نے جامِ الفت اس کے اندر اُنڈیل دیا ہو۔

* * *

نورین نے کمرے میں جیسے ہی قدم رکھا وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے ادب سے سلام کرتے ہوئے سر جھکایا۔ نورین نے اپنا شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پہ رکھ کر اُسے خوش رہنے کی دعا دی۔
وہ بولا۔ "شاید میں آپ لوگوں کے آرام میں مخل ہوا؟"
"نہیں بیٹے... تمہارا اپنا گھر ہے۔ نورین نے شفقت بھرے انداز میں کہا تو اس نے جواب دیا۔ "آپ کی ذرہ نوازی ہے۔"
اسی اثناء میں پروفیسر شہزاد اندر داخل ہوئے۔ آج پروفیسر شہزاد نے اسے گلے لگایا۔ اسے دیر تک اپنے سینے سے لگائے رکھا اور اس کی پیٹھ تھپکتے رہے۔ ان کی آنکھیں مریم کے بیٹے سے معانقہ کرتے ہوئے بھیگ گئیں۔
پروفیسر نے اپنا چشمہ صاف کرتے ہوئے نورین سے آنسو چھپانے کی ناکام کوشش کی... چند لمحے توقف کے بعد پروفیسر نے شہزاد سے کہا۔
"اپنی آنٹی سے کچھ کہا ہے تو کہہ سکتے ہو۔"

اس نے باادب انداز میں جواب دیا۔ ”ساری باتیں آپ کے گوش گزار کرچکا ہوں۔ آپ کے فیصلے کا منتظر ہوں۔ آپ کی ہر بات ہر شرط مجھے منظور ہے۔“
نورین نے کہا۔ ”سامنے ٹی وی لاؤنج میں ہنی موجود ہے... آؤ میں تمہیں راستہ بتاؤں۔ کوئی بات کہنی ہو تو اُسے کہہ سکتے ہو۔“
نورین ہاتھ میں ریموٹ تھامے مختلف چینل بدل رہی تھی۔ نورین واپس آگئیں اور وہ ٹی وی اور ہنی کے درمیان حائل ہوکر کھڑا رہ گیا۔ ہنی نے نظریں اٹھائیں۔ خلیل نے نگاہیں جھکائیں۔ کوئی صدا نہیں آئی مگر لگا جیسے دل نے دل کو پکارا ہو۔
چند لمحے بعد ہنی نے خاموشی توڑی۔
”تشریف رکھیئے۔“
جواباً دنیا مسکرانے لگی۔
”آنٹی نے کہا ہے کہ آپ سے کچھ پوچھنا ہے تو پوچھ لوں۔“
وہ شوخی سے بولی۔ ”پوچھئے۔“
”آپ ہمارے رشتے سے خوش ہیں نا۔“
وہ پھر بولی۔ ”آپ نے یہ فیصلہ اکیلے اکیلے ہی کرلیا۔“ اس کے لہجے میں شوخی تھی۔
اس نے کہا۔ ”میں کسی گستاخی کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ کے تاحیات ساتھ کی آرزو میری دیرینہ خواہش ہے۔“ اس نے یہ بات اپنی نگاہ جھکا کر کہی مگر جواب کے لئے اس کی جانب تکتا رہا۔
ہنی کی پلکیں بار بار اُٹھتی اور جھکتی رہیں۔
کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔ ”کاغذ قلم لائے ہیں آپ؟“
”کیوں۔“ اس نے پوچھا۔
”لکھ کر دے دوں۔“ وہ بے ساختہ ہنس پڑا اور کہا۔ میں قاضی نہیں دولہا ہوں۔ لکھنے والے لوگ بعد میں آئیں گے۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ ہنی کی جانب بڑھایا۔ ہنی پہلے اسے پھر اس کی مضبوط ہتھیلی کو دیر تک تکتی رہی پھر اپنا سیدھا نرم و نازک ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ جسے اس کے مضبوط ہاتھوں نے تھام لیا۔ پھر وہ واپس پلٹا۔ ہنی کا جی چاہا وہ اس کا ہاتھ تھامے وہیں کھڑا رہے اور اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہے۔ وہ اٹھی اور دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں جاکر بستر پر گر سی گئی۔ خوشی و انبساط کی ایک جھڑی سی اس کے اندر کہیں پھوٹنے لگی۔ اور پورے وجود میں پھیل گئی۔ وہ جب ڈرائنگ روم میں واپس آیا تو اس کے چہرے کے سفید رنگت پر گلاب بکھرے ہوئے پروفیسر اور نورین دونوں نے دیکھا۔
وہ خاموش بیٹھا رہا۔
پروفیسر شہزاد نے ماحول کے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔ ”میں اس ہفتے تمہارے نکاح کی سادہ سی تقریب رکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری والدہ ہوتیں تو یقیناً یہ عقد کی تقریب بہت دھوم دھام سے منعقد ہوتی۔“
”سر! آج ممی کی روح خوش ہوجائے گی۔“ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ ”میں ہنی کو ساتھ ہی لندن لے جاؤں گا۔ تاکہ اس کی مزید ایجوکیشن ہوسکے۔ میرے پاس اپارٹمنٹ ہے۔ وہاں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ بلکہ آپ اور آنٹی چاہیں تو ہمارے ساتھ چلیں۔“
”لو میاں... تم تو اپنی پوری تیاری کئے بیٹھے ہو۔“ نورین نے کہا۔
”میں پچھلے برس بھی اس مقصد سے آیا تھا۔ مگر میری ہمت نہیں تھی۔ کچھ کہنے کی یا اس موضوع پر بات کرنے کی۔ اس بار ہنی کا فائنل ائیر تھا مجھے خدشہ تھا کہ کہیں اور رشتہ نہ طے ہوجائے۔“ اس نے شرما شرما کر اپنی بات مکمل کی۔
تو شہزاد اور نورین دونوں ہی ہنس پڑے۔ ”ٹھیک ہے اسی جمعے کی شام تمہارا عقد ہے۔ تم اپنے دوست احباب کو بھی مدعو کرلیا۔ نکاح کے بعد اپنے اور ہنی کے ڈاکومنٹس تیار کرلینا۔ لندن جاتے وقت میں ہنی کو رخصت کردوں گا۔ تم اپنی دلہن لے جانا۔“
”آپ نے میری مرحومہ والدہ کی خواہش کی لاج رکھی ہے۔ میں آپ کا تاحیات احسان مند رہوں گا۔“ خلیل نے کہا۔
”کیا یہ مریم کی آرزو تھی۔“ نورین نے پوچھا۔
”جی... میری بھی...“ اس نے مختصراً کہا۔

"میں کہتی تھی نا آپ سے مریم بہت اچھی ہے۔" نورین نے اپنے شوہر کے کان میں سرگوشی کی۔
"وہ میری قسمت میں نہیں تھی، مگر میں بیٹی اس کے بیٹے کے نصیب میں ہے۔" دیکھو... اس نے اپنی بے وفائی کا ازالہ کسی چاہت سے کیا ہے۔ میرا سر اب اس کے آگے ہمیشہ جھکا ہی رہے گا۔"
"مجھے نہیں معلوم... ممی نے آپ لوگوں سے کیا زیادتی کی تھی۔ مگر آپ لوگ اب انہیں معاف کر دیجئے گا۔ میں ہنی کو بہت خوش رکھوں گا۔ اپنی زندگی کا سارا سفر میں نے ہنی کے لئے ہی طے کیا ہے۔ وہ ہمیشہ محبت کے معطر فضاؤں میں سانس لے گی۔ جو بقول میری ممی کے وہ نہیں لے سکیں۔"
مریم کے تذکرے پر اس بار پروفیسر شہزاد ازل کے ساتھ ان کی شریک حیات کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔ ورنہ اب تک پروفیسر شہزاد نے مریم کا دکھ اپنے تک ہی محدود رکھا تھا۔ واقعی محبتوں کے دکھ سکھ دونوں سانجھے ہوتے ہیں۔

......*

پروفیسر شہزاد نے رات کو طاہرہ سے اسکائپ پر بات کی اور اُسے سمجھاتے رہے۔ "ہنی کے نصیب میں خلیل لکھا ہے طاہرہ تم میری بات سمجھو۔ میں نے ان کے عقد کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہنی بھی راضی ہے اور خلیل نے تو خود ہی پروپوزل دیا ہے۔ اب تم مہران کو لے کر آنے کی تیاری کرو اور جاوید کو وہیں رہنے دو۔"
"مگر بھیا... مجھے کچھ ٹائم تو دیں۔"
اگر مگر کچھ نہیں... ویسے بھی ہنی کا لندن میں ایڈمیشن کا سلسلہ چل رہا ہے۔ اور خلیل کو بھی واپس جانا ہے۔ وہ تمہیں بھی یاد کر رہا تھا اگر مل لینا اُس سے۔ تمہارا دل خوش ہو جائے گا۔"
پروفیسر نے بہن کو سمجھایا۔
"اچھا بھیا۔ جیسا آپ کہیں۔ مگر ہنی کی شادی دھوم دھام سے ہوگی۔ میرے اکلوتے بھائی کی اکلوتی بہن ہے۔"
"تم آکر کر لینا دھوم دھڑکا۔"

......*

اُس رات شہزاد ولا جگمگا رہا تھا۔ جیسے زمین پر ستارے اتر آئے ہوں۔ حسین و جمیل افراد نہایت سج دھج اور شان و شوکت کے ساتھ گھر کی اور تقریب کی رونق میں اضافہ کر رہے تھے۔ سارے مہمان پروفیسر شہزاد کے قریبی دوست تھے۔ نکاح کے بعد ڈنر کا بھی شاندار اہتمام تھا۔ رات گئے مہمانوں کے جانے کے بعد سب تھک کر وہیں سو رہے۔ خلیل اور ہنی وہیں باتوں میں مشغول ہوگئے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ ان کے لئے بالائی منزل پر پھولوں سے مہکتا کمرہ موجود تھا۔ مگر وہ دونوں تاروں کی چھاؤں میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔
"ہنی... مجھے بچپن میں ہی ممی نے تمہارا نام یاد کرا دیا تھا۔ مجھے یہ مختصر مگر میٹھا سا نام بہت پسند آیا تھا۔ وہ کہتی تھیں ہنی تمہاری دلہن ہے۔ پھر یہ نام میرے دماغ میں چسپاں ہو کر رہ گیا۔ جیسے جیسے میں بڑا ہوتا گیا ممی نے میری تعلیم و تربیت پہ خوب توجہ دی اور تمہارے پپا کو رول ماڈل بنا کر میرے سامنے رکھا۔ میں ممی کی امیدوں پر پورا اترا لیکن ہوش سنبھالتے ہی مجھے ہنی کو دیکھنے کا بہت شوق رہا۔ ممی نے مجھے روکے رکھا کہ کبھی کوئی غلط حرکت یا غلط بات نہ کرنا۔ میں بڑا ہو گیا تو تمہارے کالج بھی جایا کرتا۔ بس میری زندگی یہی تھی۔ پروفیسر شہزاد ازل ان کی بیٹی ہنی ازل اور اپنی اسٹڈیز۔ ممی کہتی تمہیں کچھ بننا ہے تبھی ہنی تمہیں مل سکے گی۔ جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ تم بے حد حسین جمیل اور نازک اندام تھیں۔"
وہ بات کاٹ کر بولی۔ "آپ نے کبھی مجھ سے ملنے یا بات کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"
"ممی کی اجازت نہیں تھی۔"

"آپ نے نوجوانی کے بہت خوب صورت جذبوں کے تبادلے سے مجھے محروم رکھا۔" ہنی نے شکوہ کیا۔
"واب کون سا ہم بوڑھے ہوگئے ہیں۔" خلیل نے کہا۔
"مگر وہ دور تو گزر گیا نا جس میں چاہنے اور چاہے جانے کی آرزو ہوتی ہے۔ کسی کی تلاش اور ملنے کی جستجو ہوتی ہے۔"
"میں تو اس سارے کرب سے گزرا ہوں نا... اور دیکھو تمہاری خاطر کتنی بلند پرواز کی ہے... یہ بھی تو سوچو۔" خلیل نے کہا۔
"اور میں بالکل لاعلم رہی۔ قطعی بے خبر۔"
"تمہاری خاطر میں نے کالج میں لیکچر دینے شروع کئے۔ تم تک پہنچا بھی مگر رسائی حاصل نہ ہوسکی۔ میرا دل تنہا ہی دھڑکتا رہا۔"
"ہاں... مجھے لڑکیاں کہتی تھیں... دیکھو دیکھو وہ تمہیں ہی دیکھ رہے ہیں۔" ہنی نے بتایا۔
"ہاں... واقعی میں تمہیں ہی دیکھ رہا ہوتا تھا۔ ممی نے مجھے بہت مضبوط بنادیا تھا۔ اسی وجہ سے میں تم سے کچھ کہہ نہیں سکا۔"
"میں آپ کی ممی کی پسند ہوں...؟" اس نے پوچھا۔
"ممی کی بھی اور میری بھی..."
"آپ مجھے پہلے کیوں نہیں ملے؟" ہنی نے کہا۔
"پہلے ہی مل کر سب کچھ کہہ دیتے... کتنا مزہ آتا نا... اس نے خواب آگیں انداز میں کہا۔
"ہاں... مزہ تو آتا... مگر اتنا مزہ نہیں آتا جتنا کہ اب آئے گا۔"
"کیوں؟" ہنی نے پوچھا۔
"اس لئے کہ اب تم میری ہوچکی ہو... صرف میری۔ میرے پاس تمہیں چھونے کا یعنی اپنے خواب کو حقیقت کی نظر سے دیکھنے کا اجازت نامہ ہے۔ میرے ساتھ تمہارے والدین کی دعائیں ہیں۔"
یہ کہہ کر اس نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر اُسے اور قریب کرلیا اور اس کے رخسار پر اپنے جذبوں کی سرخی بکھیر دی۔ سانسوں کے جل ترنگ بج اٹھے۔ محبتوں کے نغمے بکھرنے لگے۔ دھڑکنوں نے ایک دوسرے میں مدغم ہونے کا آغاز کردیا۔
شہزاد نے خلیل کی صورت اختیار کرلی... اور نورین، ہنی کی شکل میں سامنے آئی۔ پھر ایک اور داستانِ محبت نے جنم لیا۔ زمین پر نور بکھرنے لگا۔

وہ نور
جس کی ٹھنڈک
قلب مزیں کو
طمانیت عطا کرتی ہے
جو راحت جاں ہوتی ہے
جس سے زندگی نمو پاتی ہے

* * *